رجسٹر نمبر ایل ۵۳۴۰

...سمان ۱۳۷۷ھ

جلد ۵۰ عدد

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دفتر رسالہ "ترجمان القرآن"

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور پاکستان

منشور کے مطالعہ سے پہلے براہ کرم مندرجہ ذیل تبدیلیاں کر لی جائین ۔

	صفحہ نمبر	سطر نمبر	فقرہ
۱ـ	۱۵۲	۱۵	اسلامی قوانین کی تدوین اور ان کے نفاذ کے لئے کسی لا کمیشن کی اتنی ضرورت نہین جتنی قانون سازون مین ایمان کی ضرورت ہے ـ
۲ـ	۱۶۰	۱۱	جو اراضی دراصل وقف کے طور پر مختلف زمانون مین دی گئی ـ
۳ـ	۱۶۳	آخری سطر ـ	ہم اجارہ داری کو ختم کرین گے اور ایک ایسا کمیشن مقرر کرین گے جو ان تمام صنعتون کے
۴ـ	۱۶۴	پہلی سطر ـ	حالات کی چھان بین کرے جن مین اجارہ داری کی مختلف شکلین قائم ہو گئی ہین ـ

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

عدد ۳	بابت ماہ رمضان ۱۳۷۷ھ مطابق جون ۱۹۵۸ء	جلد ۵۰

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کسی قوم کی اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اَن گنت قیمتی جانوں کو قربان کرکے، اربوں روپے کی جائداد لٹا کر، لاکھوں بہو بیٹیوں کی عزت و ناموس کا خون کرکے اور کروڑوں بھائیوں کو ہندو سامراج کے جنگل میں دے کر اسلام کے لیے تجربہ گاہ کے طور پر ایک ملک حاصل کرے، مگر وہ ملک بدقسمتی سے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ ہی ایک ایسے گروہ کے تسلط میں چلا جائے جو اس خطۂ ارضی میں اُس کی قومی اُمنگوں کو آشنائے تعبیر کرنے کی بجائے اُن کا گلا گھونٹنے کے درپے ہو جائے اور اس طرح وہ پاک سرزمین جہاں اُس کے ارادوں کی تکمیل مقصود تھی وہ اس کے عزائم کا مدفن اور مرقدین جائے۔ ہم میں سے کون ابھی تک اس بات کو بھولا ہے کہ ہمارا ایک جداگانہ قومیت کا دعویٰ اور علیحدہ مملکت کا مطالبہ کچھ اس وجہ سے نہ تھا کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے ماسوا دیگر اقوام کے مقابلہ میں ہماری تعداد زیادہ تھی بلکہ ہمارے دعوی کی بنیاد صرف یہ تھی کہ متحدہ ہندوستان میں جو مخلوط حکومت قائم ہونے والی تھی وہ ان جماعتی تخیلات اور معاشرتی افکار سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتی تھی جن سے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہیولا تیار کیا گیا ہے۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ غیر مسلموں کے ہاں مذہب خدا اور بندوں کے درمیان محض ایک پرائیویٹ رشتہ ہے، اس لیے یہ لوگ اپنے ملکی اور سیاسی معاملات کو جس نہج پر بھی چلانا چاہیں، مذہب اُن کے راستے میں کسی طرح حائل نہیں ہوتا۔ لیکن ہمارے ہاں معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ ہم اپنی مذہبی زندگی اور اجتماعی زندگی کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں کھینچ سکتے کیونکہ مذہب جہاں ہماری انفرادی زندگی کا رہنما ہے، وہاں وہ ہماری سیاسی اور معاشرتی زندگی کا مبدأ اور اساس بھی ہے۔ ہماری تہذیب اور ہمارے تمدن میں وہ صرف ایک عنصر کی حیثیت سے شامل نہیں ہوا بلکہ وہی ان کا مدارِ اعلیٰ اور جوہرِ حیات ہے

اس لیے ہم مذہب کو اپنی اجتماعی زندگی سے خارج کر کے اپنی تہذیب کو باقی نہیں رکھ سکتے۔ ان وجوہ کی بنا پر ہمارے لیے یہ بالکل ناممکن ہے کہ ہم سیاسی ملکتی اور تمدنی امور میں مذہبی اندازِ فکر سے ہٹ کر کسی دوسرے طریقِ فکر کو قبول کریں یا اجتماعی زندگی کی کوئی ایسی شکل گوارا کریں جو ہمارے مذہبی تصورات سے بالکل مغائر ہو۔ یہ تخیل بالکل معقولیت پر مبنی تھا اور ہمارے دین کے تقاضے کے عین مطابق۔ اسی لیے پوری مسلم قوم اس کے گرد جمع ہوگئی۔ جب یہ آواز بلند ہوئی تو ساری ملت نے اسے اپنے دل کی آواز سمجھتے ہوئے اس پر لبیک کہا اور اس گوہرِ مراد کو حاصل کرنے کے لیے آگ اور خون کے سمندر میں کود پڑی اور اُس وقت تک چین نہ لیا جب تک کہ ایک علٰحدہ اور آزاد مملکت حاصل نہ کر لی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہندوؤں اور کانگرس کے مقابلہ میں یہ دعویٰ پیش کرنے والے لوگ اس دعوے کے مقتضیات کو نہ صرف فراموش کر رہے ہیں، بلکہ اس بات کے لیے پوری طرح کوشاں ہیں کہ کسی طرح اس قوم کے دل و دماغ سے اس چیز کو نکال دیں کہ دین ہی اُن کی زندگی کی اصل بنیاد ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اپنے دعوے سے یہ انحراف پوری قوم کا انحراف ہے؟ کیا وہ قوم جو یہ نعرہ لے کر اٹھی تھی کہ ہمارا مذہب اور ہماری سیاست ایک ہے اور ہم اپنے مذہبی اندازِ فکر سے کسی شعبۂ حیات کو بھی خالی نہیں رکھ سکتے، اُس نے تجربہ کے بعد اب یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اُن کا یہ نعرہ سراسر باطل تھا؟ آپ اس معاملہ پر جتنا غور کریں گے، آپ کو معلوم ہوگا کہ پوری قوم کا موقف آج بھی وہی ہے جو اُس وقت تھا۔ وہ واقعی دین کو اور اس کے اصولوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد سمجھتی ہے اور اس بات کے لیے آرزومند ہے کہ اُس کی زندگی کے سارے شعبے اُس کے دین کی تحویل میں دے دیے جائیں۔ لیکن اُسے برسرِ اقتدار گروہ کی غلط کاریوں نے سخت مایوس کر دیا ہے۔ یہ مایوسی بالکل فطری ہے۔ جب ایک قوم کروڑوں انسانوں کے خون سے ایک کھیتی سیراب کرے تاکہ اس میں اسلام کا نخل ہرا بھرا ہو، وہ جب یہ دیکھے کہ عین اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کے خون سے سینچی ہوئی کیاریوں میں غیر اسلامی افکار و نظریات کی جھاڑیاں اگانے کی فکر

کی جارہی ہے تو اُس کے دل کو شدید صدمہ ہوتا ہے ــــ اتنا شدید کہ بسا اوقات پوری زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔

ان حالات میں اس قوم کی دستگیری کی تین صورتیں ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اسے اس امر کی ضمانت دی جائے کہ جو ملک اُس نے اسلام کے لیے لیا تھا وہ اسلام اور صرف اسلام کے لیے ہی وقف رہیگا اور اس میں اگر کچھ لوگ قوت کے بل بوتے پر غیر اسلامی حرکات کا ارتکاب کر رہے ہیں تو یہ محض عارضی اور اتفاقی حادثات ہیں۔ دوسرے اس امر کی پوری کوشش کی جائے کہ اس ملت کو ان لوگوں کے چنگل سے نجات دلائی جائے اور اُن کی جگہ اُن حضرات کو اقتدار کی باگیں سونپی جائیں، جو اقتدار کے اس راہوار کو منزل مقصود کی طرف پورے خلوص اور دیانتداری سے لے جائیں۔ اور تیسرے عوام کے اندر یہ احساس پیدا کیا جائے کہ جس دین کی خاطر انھوں نے بے پناہ قربانیاں دی ہیں وہ ان کے عملی تقاضوں کو بھی پورا کریں۔

یہ بات کسی فخر کی بنا پر نہیں بلکہ محض تحدیثِ نعمت کے طور پر کہی جاسکتی ہے کہ جماعت اسلامی ان تینوں مقاصد کے حصول کے لیے اوّل روز سے کوشاں رہی ہے۔ اُس نے عین اُس وقت جب یہاں کے صاحبِ اختیار لوگوں پر اقتدار کا نشہ بُری طرح مسلط تھا اور وہ اس بدمستی میں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اس ملک کے اندر وہ جو چاہیں کریں، کوئی ان کو روکنے والا نہیں، ان لوگوں کی غلط کاریوں پر انہیں ٹوکا۔ اس کے کارکنوں نے اپنی جان و مال سے بےپرواہ ہوکر یہ مطالبہ اٹھایا کہ سب سے پہلے اس ریاست کے مقصد کا تعین کیا جائے تاکہ لوگوں کو اس امر کا اطمینان ہو کہ جس سرزمین کو انھوں نے اسلام کے لیے حاصل کیا ہے وہ بہرحال اسی ایک مقصد کے لیے استعمال کی جائیگی۔ اس مطالبہ سے جس طرح اقتدار برہم ہوا اور جس طریق سے اُس نے اُس کو دبانے کی کوشش کی، یہ داستان بڑی شرمناک ہے، لیکن محض فضل ایزدی سے اس آواز نے ایک زبردست تحریک کی صورت اختیار کرلی، یہاں تک کہ اقتدار بھی اس بات پر مجبور ہوا کہ وہ اس مطالبہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے۔ چنانچہ بڑے جبر و اکراہ کے ساتھ اسے اس چیز کا اعلان کرنا پڑا کہ اس مملکت کا نصب العین اسلام ہے، یہاں اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ لوگوں کی زندگیاں

کو دینِ حق کے سانچے میں ڈھالا جائے، یہاں حکومت کے ذرائع و وسائل اُن بھلائیوں کو فروغ دینے میں صرف کیے جائیں گے جنہیں اسلام ترقی دینا چاہتا ہے، اور یہاں اُن برائیوں کا قلع قمع کیا جائے گا، جنہیں اسلام دنیا سے مٹانا چاہتا ہے۔

ریاست کے نصب العین کے تعین کے بعد اس بات کی قوی امید تھی کہ یہاں کا برسرِ اقتدار طبقہ اگر کچھ بھی اخلاص اور غیرت رکھتا ہے تو وہ یا تو اپنے نظریات و افکار کو ریاست کے مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریگا یا پھر اقتدار کے تخت سے ہٹ جائے گا۔ لیکن افسوس اس طبقہ نے ایک ایسی بددیانتی اور بے غیرتی کا ثبوت دیا ہے جس کی کسی معقول انسان سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس نے نہ تو اپنے خیالات و احساسات بدلے نہ اختیار و اقتدار ہی کو چھوڑا، بلکہ قرار داد مقاصد کے اعلان کے بعد اس نے ایک طرف اس امر کی سر توڑ کوشش کی کہ کسی طرح قوم کے اندر اسلام کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلا کر اسے اس سے دُور کیا جائے اور دوسری طرف اس نے اسلام پسند عناصر پر پیہم وار کیے تاکہ وہ یا تو ہمت ہار کر بیٹھ جائیں یا وہ پھر اس ماحول میں بالکل اجنبی بن کر رہ جائیں، قوم کے اندر نہ اُن کا کوئی اثر باقی رہے اور نہ ان کا کوئی وزن محسوس کیا جائے۔ لیکن یہ محض خداوند تعالیٰ کا احسان تھا کہ یہ لوگ خود ایسے جھمیلوں میں گرفتار ہوئے کہ مسلمانوں کو دین اور دین کے خادموں سے برگشتہ کرنے کی بجائے خود اپنے آپ سے برگشتہ کر بیٹھے لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کے اعمال سے نہ صرف ان کی اپنی رسوائی ہوئی ہے بلکہ بیرونی دنیا میں پاکستان کے وقار کو سخت زک پہنچی ہے۔ ملک کے اندر ان کا یہ حال ہے کہ لوگ انہیں وہ سب سے بڑی لعنت سمجھتے ہیں جو انگریز یہاں سے جاتے وقت ان پر مسلط کر کے چلا گیا۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ اس حد تک مضطرب ہیں کہ ہر اُس صدا پر لبیک کہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جو انہیں اس سے رہائی دلائے۔ مشرقی پاکستان میں پچھلے انتخابات میں برسرِ اقتدار گروہ کا جو حشر ہوا وہ اس حقیقت کی پوری طرح غمازی کر رہا ہے۔

ان حالات میں ایک خادمِ دین جماعت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ برگشتہ اور پریشان حال

عوام کی صحیح صحیح رہنمائی کرے، ان کو ایک فاسد قیادت کی جگہ ایک صالح قیادت ابھارنے کے لیے تیار کرے، اور انہیں اسلامی نظام عملاً برپا کرنے کا راستہ دکھائے ـــــــ یہی مقصد ہے جس کے لیے جماعت اسلامی نے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم یہاں ان عزائم کا تذکرہ کریں جو جماعت اپنے سامنے انتخابات میں کامیاب ہونے کی صورت میں رکھتی ہے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم دو ایک باتیں اُس کے اس فیصلہ کے بارے میں بھی کہہ دیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہمارا یہ فیصلہ کوئی نیا فیصلہ نہیں ہے جو یکایک ہم نے سیاسی طالع آزماؤں کی طرح حالات کا رُخ موافق دیکھ کر کر لیا ہو بلکہ ہمارا یہ فیصلہ اوّل روز سے یہی تھا۔ ہم اسی ارادہ اور عزم کے ساتھ اُٹھے ہیں کہ دنیا کی زمامِ کار فسّاق و فجّار کے ہاتھوں سے نکال کر مومنین صالحین کے ہاتھ میں دے دیں۔ چنانچہ امیر جماعت نے ۱۹۴۵ء کے سالانہ اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے بڑے واشگاف الفاظ میں کہا تھا:

"ہماری جدوجہد کا آخری مقصود انقلابِ امامت ہے، یعنی دنیا میں ہم جس انتہائی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ فساق و فجار کی امامت و قیادت ختم ہو کر امامتِ صالحہ کا نظام قائم ہو اور اس سعی و جہد کو ہم رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ...... دراصل فساق و فجار کی قیادت ہی نوعِ انسانی کے مصائب کی جڑ ہے اور انسانی بھلائی کا سارا انحصار صرف اس پر ہے کہ دنیا کی سربراہ کاری صالح لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔"

"انسانی معاملات کے بناؤ اور بگاڑ کا آخری فیصلہ جس مسئلے پر منحصر ہے وہ یہ سوال ہے کہ معاملاتِ انسانی کی زمامِ کار کس کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح گاڑی ہمیشہ اس سمت میں چلا کرتی ہے جس میں ڈرائیور اس کو لے جانا چاہتا ہے اور وہ دوسرے لوگ جو گاڑی میں بیٹھے ہوں خواستہ و ناخواستہ اسی سمت میں جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں جدھر گاڑی جا رہی ہو، اسی طرح انسانی تمدن

کی گاڑی بھی اسی سمت پر سفر کرتی ہے جس سمت وہ لوگ جانا چاہتے ہیں جن کے ہاتھ میں تمدن کی باگیں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ زمین کے سارے ذرائع جن کے قابو میں ہوں، قوت و اقتدار جن کے ہاتھ میں ہو، عام انسانوں کی زندگی جن کے دامن سے وابستہ ہو، خیالات و افکار اور نظریات کو بنانے اور ڈھالنے کے وسائل جن کے قبضے میں ہوں، انفرادی سیرتوں کی تعمیر و اجتماعی نظام کی تشکیل اور اخلاقی قدروں کی تعیین جن کے اختیار میں ہو، ان کی رہنمائی و فرمانروائی کے تحت رہتے ہوئے انسانیت بحیثیت مجموعی اُس راہ پر چلنے سے کسی طرح باز نہیں رہ سکتی جس پر وہ اسے چلانا چاہتے ہوں۔ یہ رہنما و فرماں روا اگر خدا پرست اور صالح لوگ ہوں تو لامحالہ زندگی کا سارا نظام خدا پرستی اور خیر و صلاح پر چلے گا، برے لوگ بھی اچھے بننے پر مجبور ہوں گے، بھلائیوں کو نشو و نما ہوگا اور برائیاں اگر مٹیں گی نہیں تو پروان بھی نہ چڑھ سکیں گی۔ لیکن اگر رہنمائی و قیادت اور فرمانروائی کا یہ اقتدار اُن لوگوں کے ہاتھوں میں ہو جو خدا سے برگشتہ اور فسق و فجور میں سرگشتہ ہوں تو آپ سے آپ سارا نظام زندگی خدا سے بغاوت اور ظلم و بد اخلاقی پر چلے گا۔ خیالات و نظریات، علوم و آداب، سیاست و معیشت، تہذیب و معاشرت، اخلاق و معاملات، عدل و قانون، سب کے سب بحیثیت مجموعی بگڑ جائیں گے۔ برائیاں نشو و نما پائیں گی اور بھلائیوں کو زمین اپنے اندر جگہ دینے سے اور پانی ان کو غذا دینے سے انکار کر دیں گے اور خدا کی زمین ظلم و جور سے لبریز ہو کر رہے گی۔ ایسے نظام میں برائی کی راہ چلنا آسان اور بھلائی کی راہ چلنا کیا معنی اس پر قائم رہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔"[1]

اقتباس ذرا طویل ہو گیا ہے لیکن اس کو درج کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ ہماری اس انتخابی پالیسی کو جو حضرات ہمارے مقصد اور نصب العین سے انحراف سمجھتے ہیں، وہ اسے غور سے پڑھیں اور دیکھیں، کیا انقلاب قیادت اوّل روز ہی سے ہمارا مقصد نہ تھا۔ زمام کار کی تبدیلی کوئی ایسی چیز نہیں جس کا ذکر کہیں کہیں مبہم الفاظ میں ہماری تحریر و تقریر میں موجود ہو بلکہ یہ وہ کام ہے

[1] تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں۔

جسے ہم صراحت کے ساتھ شروع ہی سے بیان کرتے چلے آرہے ہیں۔

اسی ضمن میں دوسری چیز، جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بسا اوقات ایک بہت بڑی غلط فہمی ہوجاتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم کوئی اس دعوے کے ساتھ انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں کہ اس میں کامیاب ہوتے ہی ایک مثالی اسلامی ریاست معرضِ وجود میں آجائے گی۔ یا دوسرے لفظوں میں ہم کسی سحر کے زور سے آن کی آن میں اس بگڑی ہوئی سوسائٹی کو اسلامی معاشرے میں ڈھال دیں گے۔ اس قسم کے خیالات بعض لوگ ناسمجھی یا عدمِ واقفیت کی بنا پر ہماری طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر ہمیں خود ہی سمجھانا شروع کر دیتے ہیں کہ دیکھو جب تک لوگوں کی سیرت و کردار کو اسلام کے مطابق ڈھالا نہ جائے اس وقت تک ایک صحیح اسلامی ریاست کا خواب محض حکایت تشنہ و سراب ہے۔ ہم اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگوں کی خدمت میں بصد احترام یہ عرض کریں گے کہ حضرات نہ ہمارا وہ موقف ہے جس پر آپ ہمیں کھڑا کر رہے ہیں اور نہ ہمارا وہ دعویٰ ہے جو ہماری طرف منسوب کیا جارہا ہے۔ اس لیے آپ کو ہمارے مستقبل کے بارے میں جو خدشات نظر آرہے ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ ہم سادہ اور واضح الفاظ میں جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے: ریاست اور اس کے اسباب و وسائل لوگوں کے افکار و نظریات، اور سیرت و کردار کو کسی خاص سانچے میں ڈھالنے کے لیے ایک بہت بڑی قوت اور طاقت رکھتے ہیں۔ اس طاقت کو مخالفِ دین عناصر کے ہاتھ میں چھوڑنے کے بجائے ایسے ہاتھوں میں منتقل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو اسے اسلامی معاشرے کی تعمیر میں استعمال کر سکتے ہوں۔ یہ کوشش جتنی جتنی کامیاب ہوتی جائے گی تعلیم، نشرواشاعت، قانون، نظم و نسق، معاشی نظام، اور دوسرے تمام طاقتور وسائل کو اتنا ہی زیادہ نظامِ زندگی کی تبدیلی اور معاشرے کی تعمیرِ جدید میں استعمال کیا جاسکے گا، اور اس طرح اصل نصب العین تک پہنچنے کی راہ زیادہ سے زیادہ ہموار ہوتی جائے گی۔ یہ بات ہم بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ جب تک عوام صحیح معنوں میں مسلمان نہیں بنتے اسلامی حکومت کا قیام محض ایک خواب ہے۔ لیکن ہم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ خود عوام

کے مسلمان بننے ہی میں سب سے بڑی رکاوٹ غیر اسلامی حکومت ہے۔ اور ان کو مسلمان بنانے کے لیے ہی ان وسائل و ذرائع اور طاقتوں پر قبضہ ضروری ہے جن پر آج عصرِ حاضر کی سیکولر ریاست مسلط ہو چکی ہے۔ یہ نکتہ آخر کیوں لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا۔

ہمارے نزدیک یہ بھی بڑی غیر دانشمندانہ روش ہے کہ عوام تو ظلم و استبداد کے ہاتھوں ستائے جا رہے ہوں۔ اپنی بے شمار قربانیوں کو رائگاں دیکھ دیکھ کر وہ سراپا نالہ و فریاد بنے ہوئے ہوں، اور ہم محض تماشائی بن کر یہاں زندگی گزارتے چلے جائیں۔ ہمارا دعوےٰ ہے کہ یہاں کے عوام میں اسلام کے لیے بڑی محبت و عقیدت ہے۔ وہ دینِ حق کے لیے آج بھی بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے ہیں۔ وہ اگر بے عمل ہیں تو اس کے چند وجوہ ہیں۔ ہم اپنی قوم کو اس قدر نادان اور بیوقوف نہیں سمجھتے کہ وہ محض بدیشی آقاؤں کی جگہ دیسی آقاؤں کو اقتدار کی مسند پر متمکن کرنے کے لیے جان و مال اور عزت آبرو کی اتنی عظیم قربانی دینے پر تیار ہو گئی تھی۔ ہم دیانتداری سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں کا برسرِ اقتدار طبقہ اس مظلوم قوم کے ساتھ بڑا شرمناک کھیل کھیلتا رہا ہے۔ وہ اسے بھیڑ بکریوں کا ایک بالکل بے زبان گلہ سمجھتا رہا ہے، جو صرف اُس کے فائدے کے لیے دنیا میں پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کے اس کھیل سے یہ قوم سخت بیزار ہو چکی ہے۔ اس حالت میں ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اپنی قوم کے لوگوں کو اس ذلت آمیز زندگی سے نجات دلوائیں، اُن کی گردن سے جور و جفا کے قلادوں کو اُتاریں اور ایک ایسا ماحول تیار کریں جو ان کی توقعات اور آرزوؤں کی تعبیر ہو۔

ہو سکتا ہے کہ ہمارے خلاف پراپیگنڈا کا جو طوفان وقتاً فوقتاً اٹھایا جاتا ہے، اس کا اثر دور ہونے میں ابھی کچھ دیر لگے، اور ساری قوم ایک ہی مرحلے میں اس طلسم فریب سے آزاد نہ ہو جو برسرِ اقتدار لوگوں نے اس کے گرد باندھ رکھا ہے۔ لیکن ہمیں اس معاملہ میں پورا یقین ہے کہ ہماری قوم کی عظیم اکثریت اسلام کے معاملہ میں مخلص ہے۔ اس لیے جب بھی اسے اس بات کا شرح صدر حاصل ہو جائے گا کہ اسلام کی طرف واقعی یہ ایک مخلصانہ قدم ہے اُس وقت وہ پروانہ وار آگے بڑھے گی۔

پھر دنیا کا کوئی مکروفریب اُسے اس راستہ سے ہٹا نہیں سکے گا۔

یہ ہیں وہ حالات اور توقعات جن کے ساتھ ہم انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں۔ ہمارے اس فیصلہ کا محرک نہ تو ہوسِ اقتدار ہے اور نہ جاہ و منصب کی خواہش۔ ہمارے اس فیصلہ کا محرک صرف فرض کی پکار ہے۔ اس پکار پر لبیک کہنے والوں کی طبیعت کا شروع ہی سے یہ خاصا رہا ہے کہ وہ ہمیشہ مادی اسباب و وسائل سے بے نیاز اور نتائج سے یکسر بے پروا ہوتے ہیں۔ جو انسان فرض کی بجا آوری میں آگے بڑھے، اسے بھلا اس بات کی کیا فکر ہو سکتی ہے کہ وہ کامیاب ہوا ہے یا ناکام۔ اُس کی کامیابی کا راز تو اسی میں مضمر ہے کہ اُس نے ایک صحیح نصب العین کے حصول کے لیے جدوجہد کی۔ باقی رہے نتائج تو ان کا معاملہ اُسی ذات کے ہاتھ میں ہے جو ہم سب کی خالق، مالک اور آقا ہے اور جس کے قبضہ و اختیار میں دنیا کے سارے وسائل ہیں۔ اُس کے فیصلے ہمارے لیے ہر حال میں صحیح اور درست ہیں اور ہم اس کی رضا پر ہر صورت میں قانع ہوں گے۔

ان ابتدائی گذارشات کے بعد آئیے ایک نظر اُس انتخابی منشور پر بھی ڈال لیں جو جماعت کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس منشور کے معاملہ میں چند باتیں قابلِ غور ہیں۔

اس صدی میں غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ کسی اسلامی جماعت نے، جو اسلامی نظام برپا کرنے کا داعیہ رکھتی ہو، جدید ریاست کے تقاضوں کے پس منظر میں اسلام کے نفاذ کی ایک معین صورت سامنے رکھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں پچھلی صدی کے نصف کے بعد سے مسلمانوں کے اندر یہ احساس پوری شدت سے اُبھر رہا ہے کہ اُن کی تباہی اور بربادی کا واحد سبب اسلام سے رُوگردانی ہے، اگر وہ دنیا میں باعزت طور پر رہنے اور آخرت میں نجات کے طالب ہیں، تو پھر اُن کے لیے اس کے سوا کوئی دوسری شکل ممکن نہیں کہ وہ اسلام کو اپنی زندگی کا رہنما اصول بنائیں۔ اس وجہ سے اب پچھلے چند سالوں سے جہاں ایک طرف اسلام سے مسلمانوں کا لگاؤ اور دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے وہاں دوسری

طرف ایک ایسا لٹریچر بھی سرعت کے ساتھ معرضِ وجود میں آرہا ہے جو اسلام کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض کتابیں بڑی ہی عمدہ اور مفید سامنے آئی ہیں۔ لیکن اگر آپ سارے علمی سرمایہ کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں زیادہ زور نظریاتی امور کی تصریح پر دیا گیا ہے اور عہدِ حاضر کے جن عملی مقتضیات سے ایک مسلمان کو سابقہ پیش آتا ہے یا آسکتا ہے اُس سے بہت کم بحث کی جاتی ہے۔ اس منشور میں ہر قاری اسلامی نظریات و افکار کی عملی تعبیر کا ایک ہلکا سا نقش دیکھ سکتا ہے۔

اسی سلسلہ کی دوسری چیز جس کی طرف ہم پچھلے صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں، اور جس کو ہم اس کی اہمیت کے پیشِ نظر پھر دہراتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ منشور کسی مثالی اسلامی ریاست کا منشور نہیں ہے۔ ہمارے اپنے رفقاء اور ہمارے فاضل ناقدین اس کا جائزہ لیتے ہوئے اس بڑی حقیقت کو نظر انداز نہ کریں کہ یہ منشور ایک ایسے ملک میں پیش کیا جا رہا ہے جس کا سارا نظام اب تک عملاً سیکولر بنیادوں پر چلایا جاتا رہا ہے، اور اب اس چلتی ہوئی گاڑی کو اسلامی نظام کی طرف موڑنا ہمارے پیشِ نظر ہے۔ لہٰذا اس منشور کو اس نگاہ سے دیکھنا چاہیے کہ ایک سراسر غیر اسلامی ماحول میں اسلامی نظام کا آغاز کس طرح کیا جائے گا۔ جو ملک دو سو سال سے غیر ملکی سامراج کا غلام چلا آرہا تھا، جہاں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کے سارے آثار کو ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت مٹانے کی کوششیں کی گئی ہیں، جہاں مسلمانوں کے رگ و پے میں غیر اسلامی افکار و تصورات اتارے گئے ہیں، جہاں پورے نظامِ حیات کو کافرانہ طریقوں پر قائم کر دیا گیا ہے، وہاں اگر تبدیلی کے مواقع خداوند تعالیٰ عطا کر دے تو ہم اس بہتے ہوئے دھارے کے رُخ کو بدلنے کے لیے کیا کچھ اقدام کریں گے۔ اس لیے یہ اسلامی ریاست کا آخری نقشہ نہیں بلکہ بالکل ابتدائی خاکہ ہے۔ یہ اس نصب العین کی طرف صرف پہلا قدم ہے۔ چنانچہ اس کو آئیڈیل اور حکمتِ عملی کے درمیان صحیح توازن کے تحت تشکیل دیا گیا ہے۔

اس منشور کا تیسرا اہم پہلو اس کی ہمہ گیری ہے۔ ہم اس بات کا پورا یقین رکھتے ہیں کہ صحیح اسلامی نظام صرف اُسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جبکہ انقلاب ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہو۔ چند سطحی اور اوپری تبدیلیاں کر لینے سے اس مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اس بنا پر اس منشور میں حیاتِ انسانی کے سارے شعبوں پر ــ خواہ ان کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہو یا انفرادی زندگی سے ــ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں اگر ایک طرف خارجہ پالیسی کو حق و انصاف پر، معیشت کو عدل و مواسات پر، سیاست کو دیانت و امانت پر استوار کرنے کے عزم کا اظہار ہے تو دوسری طرف انفرادی زندگی کے لیے بھی تعلیم و تربیت کا ایک عمدہ پروگرام موجود ہے جس سے مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلامی تعلیمات کے بارے میں سلجھاؤ، طبائع میں سلامت، مزاج میں اعتدال، سیرت میں مضبوطی اور اخلاق میں پاکیزگی پیدا ہو۔ ہم اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوئی اسلامی نظام اس وقت تک صحیح معنوں میں قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی پشت پر خداترس انسانوں کی ایک منظم طاقت موجود نہ ہو۔

منشور کی اس ہمہ گیری کو دیکھ کر ممکن ہے بعض انسانوں میں یہ احساس پیدا ہو کہ اصلاح و ترقی کا یہ پروگرام بڑا بوجھل ہے۔ اس معاملے میں اُن کے خدشات کو بالکل غلط نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس ضمن میں ہماری گزارش یہ ہے کہ ہم نے یہ چیز اسلام کے منشائے عین مطابق کی ہے۔ اسلام نے حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں کو باہم ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کیا ہے کہ اگر ہم ان کو الگ الگ کرنے کی غلطی کر بیٹھے تو ہم ساری تعلیماتِ الٰہی کا حلیہ بگاڑنے کے مرتکب ہوں گے۔ اس لیے یہ ناگزیر ہے کہ ہم اسلامی نظام کی طرف اگرچہ پیش قدمی تو نہایت آہستہ آہستہ کریں مگر اس میں سارے شعبے ایک دوسرے کے ہم عناں اور ہم رکاب ہوں۔

آیئے اب ہم یہ دیکھیں کہ اس منشور میں تبدیلیوں کی نوعیت کیا ہے:

سب سے پہلی تبدیلی مملکت کے مقصد کی تبدیلی ہے۔ اس منشور میں یہ چیز بصراحت موجود ہے کہ مملکت

مقصود بالذات نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا انسانی ادارہ ہے جو انسانوں کی خدمت کے لیے وجود میں آیا ہے اور جس کی غایت نہ صرف ملک کو اندرونی خلفشار اور بیرونی خطرات سے بچانا ہے بلکہ ان بھلائیوں کو فروغ دینا بھی ہے جنہیں اسلام دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اور اُن برائیوں کو مٹانا ہے جنہیں اسلام اس دنیا سے ناپید کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے یہ مملکت محض اختیاری اور مجازی طور پر مقتدر رہے۔ اس میں کوئی الوہیت کی شان نہیں پائی جاتی۔

اس مملکت میں امر و اقتدار سوائے خدا کے کسی کو حاصل نہیں جو ازلی و ابدی اور واجب الذات ہے انسانوں کو اگر اقتدار حاصل ہوا ہے تو یہ محض وہ امانت ہے جو انہیں تفویض کی گئی ہے۔ اس بنا پر برسرِ اقتدار گروہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی کبریائی کے ٹھاٹھ جماتا پھرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ اسلامی اخلاقیات کے مشہور اصول "سید القوم خادمهم" کے مطابق ملک کے انتظام کو چلائے۔ ملکی قانون اس وقت تک قابلِ احترام ہے جبتک کہ وہ حق کے موافق ہے۔ حق قانون سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ قانون حق پر مبنی ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی عین مرضی ہے۔

اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری سمجھا گیا ہے کہ ہم غیر ملکی تسلط سے یکسر آزاد ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس مقصد کے حصول کے لیے صرف ایک غیر جانبدارانہ روش اختیار کر لینا ہمارے مسئلہ کا حل ہے۔ ہمارے نزدیک یہ طرزِ عمل ہماری مشکلات کا حل نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آج کل کے بین الاقوامی حالات میں ہمارے لیے اس پالیسی پر قائم رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ قریب قریب محال ہے۔ دوسرے شاہد علی الناس کی حیثیت سے ہماری ملت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم دنیا کے ہر معاملہ میں حق کی شہادت دیں۔ مسلمان رہتے ہوئے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنی آنکھوں کے سامنے جبر و استبداد، ظلم اور زیادتی دیکھیں مگر کسی مصلحت پرستی کے تحت جور و جفا پر چپ سادھے رکھیں۔ یہ غرض پرستانہ شانِ بے نیازی ایک ایسی قوم تو اختیار کر سکتی ہے جسے حق سے زیادہ دنیاوی مال و متاع عزیز ہو لیکن یہ طرزِ عمل اس قوم کو زیب نہیں دیتا جو پوری دنیا میں عدل و انصاف کی حکمرانی اور فرمانروائی قائم کرنے کے لیے اٹھی ہو۔ ہم اپنے ایمان کے تقاضوں سے مجرمانہ غفلت کے مرتکب ہونگے اگر ہم کسی دنیاوی لالچ کے تحت عافیت اور غیر جانبداری کے

ساحل پر کھڑے ہو کر بین الاقوامی سیاست کے اتھاہ سمندر میں استعمار پسندوں کی سفاکیوں اور زبردست آزاریوں کو خاموشی سے دیکھتے رہیں اور مظلوموں کو بچانے کے لیے کوئی عملی قدم نہ اٹھائیں۔ چنانچہ اس منشور میں ہم نے بڑے واضح الفاظ میں اس عزم کا اظہار بھی کیا ہے کہ اگر ہم پر ہماری قوم نے اعتماد کرتے ہوئے ہمیں ملک کی عنانِ اقتدار دے دی تو ہم سامراجیت کے خلاف ـــ وہ سفید ہو یا سرخ، ایشیائی ہو یا مغربی ـــ صف آرا ہوں گے اور ہر ممکن طریق سے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے اور ان اقوام کی حمایت کریں گے جن پر استعمار کے دیوِ استبداد نے صدیوں سے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔

جہاں تک دستوری اور قانونی اصلاحات کا تعلق ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ موجودہ دستور میں اسلام سے نکلنے کے جتنے چور دروازے رکھے گئے ہیں انہیں بالکل بند کر دیا جائے۔ بدقسمتی سے اس ملک میں ابھی تک ایک شرارت پسند گروہ اس گھات میں بیٹھا ہے کہ کسی طرح دستور میں اسلام کے متعلق جو دفعات ہیں اُن کو نکال دیا جائے یا اگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو تو پھر اُن کی کوئی ایسی تعبیر کر دی جائے جو اُن کے ملحدانہ نظریات سے ہم آہنگ ہو۔ اسی سلسلہ کی ایک چیز خدا کی حاکمیت ہے۔ اس دستور میں اگرچہ یہ تو طے کر دیا گیا ہے کہ حاکمیت اللہ کی ہے لیکن یہ فتنہ جُو لوگ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ چونکہ اس حکومت کو انسان ہی چلائیں گے اس لیے حکومت درحقیقت انسانوں ہی کی ہوگی اور وہ جس طرز پر بھی حکومت چلائیں، وہ خدا ہی کی حکومت کہلائے گی۔ ہمارے نزدیک خدائی حکومت کی یہ تشریح نہ صرف غلط بلکہ بڑی گمراہ کن ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو ہم موجودہ دستور میں جتنے رخنے ہیں انہیں بند کر دیں گے تاکہ کوئی فتنہ ساز نہ تو اس کی من مانی تاویلیں کر سکے اور نہ اہلِ غرض اس کو ہر قسم کے معنی پہنا سکیں۔ اس ضمن میں پہلی تبدیلی ہم یہ چاہتے ہیں کہ دستور میں اس امر کی بالکل غیر مبہم الفاظ میں وضاحت کر دی جائے کہ قرآن و سنت دونوں ملکی قانون کے اوّلین ماخذ ہوں گے۔ اللہ کی حاکمیت ہماری عملی زندگی میں اس وقت تک مؤثر نہیں ہو سکتی جب تک اس کی تکوینی حاکمیت کے ساتھ اس کی تشریعی حاکمیت کو بھی تسلیم نہ کیا جائے اور خدا کی تشریعی حاکمیت کے آخری مظہر چونکہ حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیے ضروری ہے کہ حضورؐ ہی کو زندگی کے ہر شعبے میں واجب الاطاعت ہادی مانا جائے۔

ہم اس چیز کا بھی عزم بالجزم رکھتے ہیں کہ اُس عظیم فتنہ کے بارے میں، جس نے پچھلے پچاس ساٹھ سالوں میں مسلمانانِ ہند و پاک کی وحدت کو شدید نقصان پہنچایا ہے، ایک قطعی اور حتمی فیصلہ کر دیا جائے۔ اسلامی ریاست کا قیام کسی دوسری اصولی ریاست کے قیام کی طرح، ایک ایسی منظم سوسائٹی کے وجود کا متقاضی ہے، جس کے افراد نہ صرف چند مشترک اقدار کے علمبردار ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے متحد ہوں بلکہ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سوسائٹی بعض اصولوں کی بنا پر دوسرے معاشروں سے ممیز بھی ہو۔ اسلام نے نسل، زبان اور رنگ کی ہم آہنگی سے قوم کے مختلف افراد میں وحدت و اتحاد پیدا کرنے میں مدد نہیں لی، بلکہ اس کے برعکس ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت سے یہ کام لیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُس نے اس امت کو دوسری امتوں سے الگ کرنے کے لیے بھی وطنیت کی دیواریں چننے کی بجائے نبوت کی حدبندی کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ توحید اور رسالت ہی نے مسلمانوں کے مختلف اجزا کو جوڑا ہے۔ انہیں سے ہمیں ایک ایسی قوتِ رابطہ و ضابطہ میسر آئی ہے جس نے اجسام کے تعدد اور نفوس کی کثرت کے باوجود ہمیں ایک جگہ جمع کر دیا ہے مگر جس جذبہ نے ہمیں دوسری قوموں سے الگ ہونے کا شعور بخشا ہے، ہمیں ایک علیحدہ امت کی تشکیل پر ابھارا ہے، ہمارے اندر یہ احساس پیدا کیا ہے کہ ہم اپنا ایک مستقل وجود رکھتے ہیں، وہ عقیدہ ختم نبوت ہی ہے۔ ہماری یہ وہ سرحد ہے جس کی حفاظت اور پاسبانی ہمارا سب سے اہم فرض ہے۔ اس معاملے میں کسی غفلت کو ہم اپنے قومی بقا کے لیے بے حد مہلک اور خطرناک سمجھتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ جس فتنہ کو انگریز نے ہماری ملی سرحدوں پر اپنے مخصوص مصالح کے تحت لا کھڑا کیا تھا، اس کے تدارک کی فکر کریں اور اس سے نمٹنے کی ہمارے نزدیک سب سے بہترین صورت یہی ہے کہ مرزا غلام احمد کے ماننے والوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

قانونی اصلاحات کے دائرہ میں ہم یہ بھی ارادہ رکھتے ہیں کہ مغربی سامراج نے اپنے استعمار کو قائم رکھنے کے لیے باشندگانِ ملک کی جن ناجائز اور ظالمانہ قوانین کے سہارے آزادیاں سلب کر رکھی تھیں، انہیں منسوخ کر دیا جائے۔

اسلامی نظام کے قیام کے لیے یہ چیز بھی اشد ضروری ہے کہ اس ملک میں معاشی استحصال اور لوٹ کھسوٹ کے سارے راستوں کو مسدود کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں ہماری پہلی کوشش ملک کے زرعی نظام کی اصلاح ہے۔

انگریزوں نے اپنے استعمار کے پنجے کو باشندگانِ ملک کے جسموں میں مضبوطی سے پیوست کرنے کے لیے اس جاگیردارانہ نظام کو جنم دیا، جو آکاس بیل کی طرح ہماری زراعت پر چھایا ہوا ہے اور اسے بالکل پروان نہیں چڑھنے دیتا۔ اس مسئلہ کا حل ہمارے لیے بڑا ہی اہم ہے لیکن ہم اس معاملہ کو محض جذباتیت یا خوش کن نعروں سے حل نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے حل کی ہمارے نزدیک یہی ایک صورت اصولاً صحیح اور فی الحال قابلِ عمل ہے کہ تمام ایسی زمینداریوں کی منتقلی جو دو سو ایکڑ نہری و چاہی یا چار سو ایکڑ بارانی سے زیادہ رقبے کی ملکیت پر مشتمل ہوں، تحقیقات کی جائے اور ان میں سے جو شریعت اسلامیہ کی رُو سے ناجائز ہوں، اُن کا ایک معقول حصہ اُن کے مالکوں کو بطورِ کفالت دیکر باقی سب زمینوں کو بلامعاوضہ ضبط کر لیا جائے اور پھر انہیں اُن مستحق لوگوں میں تقسیم کردیا جائے جو فی الحال ان میں کاشت کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ جو زمینداریاں جائز ملکیت قرار پائیں انہیں بھی ایسے قوانین کا پابند بنایا جائے جن سے سماج کے سارے طبقوں میں عدل و انصاف قائم ہو اور کوئی گروہ دوسرے پر ظلم و ستم نہ کر سکے۔

ہم ملک کی صنعتی قوتوں کو بلا تاخیر پروان چڑھانے کے متمنی ہیں لیکن ہم یہ کسی صورت نہیں چاہتے کہ ایک مختصر سا طبقہ ناجائز مراعات لیکر اور غریب محنت کاروں کا خون چوس کر دادِ عیش دینا شروع کردے۔ ہم اس بات کی انشاءاللہ پوری کوشش کرینگے کہ صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ بندۂ مزدور کے "تلخ اوقات" بھی بہتر ہوں۔ اُسے نہ صرف دو وقت پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہو، بلکہ اُسے اور اس کے اہل و عیال کو رہنے کے لیے مکان اور بیماری کی صورت میں علاج معالجہ کی سہولتیں بھی بہم پہنچیں۔ اُس کی حیثیت لوہے کی مشینوں کے مقابلے میں صرف مٹی کی ایک ادنیٰ سی مشین کی نہ ہو بلکہ اُس کے ساتھ ایک انسان کا سا سلوک کیا جائے اور کسی کارخانہ میں اپنی جوانی کھپا دینے کے بعد وہ اس بات کا حق رکھتا ہو کہ کارخانہ کے مالک سے اپنے بڑھاپے کے دن گزارنے کے لیے بھی ایک معقول رقم کا مطالبہ کر سکے۔

اصلاح کا کوئی پروگرام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا جبتک لوگوں کے فکر و نظر کے زاویوں کو تبدیل کرنے کا انتظام نہ کر لیا جائے اس لیے ہم اپنے تعلیمی نظام میں بھی کافی ردوبدل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ چیز بڑی نامعقول ہے کہ تعلیم کے دروازے صرف دولتمند طبقوں پر ہی کھلے ہوں اور غریبوں کو اس سے محروم کر دیا جائے۔ اس نظریہ کو ہم یکسر باطل سمجھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تعلیمی سہولتوں کو اس قدر عام کر دیا جائے کہ تعلیم کسی شہری کی دسترس سے باہر نہ رہے۔

ہم دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کی تقسیم کو بھی غلط سمجھتے ہیں اور انشاءاللہ اس امر کی پوری کوشش کریں گے کہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں نظامِ تعلیم کی اس طرح سے اصلاح ہو کہ یونیورسٹیاں اور دینی مدارس مل کر ایک ہی نظامِ تعلیم میں مدغم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

جماعتِ اسلامی اور اُس کے انتخابی مقاصد

جماعت اسلامی پاکستان جن مقاصد کے لیے ملک کے آئندہ انتخابات میں حصہ لے رہی ہے، اور جن اصلاحات کو وہ اس ملک کے نظام میں نافذ کرنا چاہتی ہے، ان کی تشریح سے پہلے ضروری ہے کہ خود اس جماعت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

جماعت اسلامی کا مقصد یہ جماعت ان محدود معنوں میں کوئی "سیاسی" یا "مذہبی" یا "اصلاحی" جماعت نہیں ہے جن میں عام طور پر یہ الفاظ بولے جاتے ہیں، بلکہ یہ وسیع معنوں میں ایک اصولی جماعت ہے جو پوری انسانی زندگی کے لیے ایک جامع اور عالمگیر نظریۂ حیات پر یقین رکھتی ہے، اور اپنے اس نظریہ کو انسانی عقائد و افکار میں، اخلاق و اطوار میں، علوم و فنون میں، ادب اور آرٹ میں، تمدن و تہذیب میں، مذہب اور معاشرت میں، معاشی معاملات میں، سیاست اور نظمِ مملکت میں، اور بین الاقوامی تعلقات و روابط میں عملاً نافذ کرنا چاہتی ہے۔

بگاڑ کا اصل سرچشمہ اس جماعت کے نزدیک دنیا کے بگاڑ کا حقیقی سبب خدا کی اطاعت سے انحراف، آخرت کی جواب دہی سے بے نیازی، اور انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی سے روگردانی ہے، اور دنیا میں جب کبھی، جہاں کہیں، جس شعبۂ زندگی میں بھی بگاڑ رونما ہوا ہے یہی اس کا بنیادی سبب رہا ہے، کیونکہ یہ طرزِ فکر و عمل حق کے خلاف ہے۔ اس جماعت کے عقیدے میں "حق" یہ ہے کہ خدا اس پوری کائنات کا مالک و حاکم ہے، انسان اس کے سامنے جواب دہ ہے، اور صرف انبیاء کی تعلیم ہی ہدایت کا اصل سرچشمہ ہے۔ لہٰذا یہ جماعت نوعِ انسانی کے لیے فلاح کی صرف ایک ہی صورت دیکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانی زندگی کا پورا نظام اپنے تمام شعبوں اور گوشوں سمیت خدائے واحد کی بندگی و اطاعت کے اصول پر قائم ہو، اس بندگی و اطاعت کے لیے انبیاء علیہم السلام کی اس رہنمائی کو سند مانا جائے جو آج اپنی صحیح و کامل

صورت میں صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہی میں موجود ہے، اور افراد کی سیرتوں سے لے کر قوموں کے اجتماعی طرزِ عمل تک ہر چیز کو اس اخلاق اور اس کردار پر قائم کیا جائے جس کی بنیاد آخرت کی جوابدہی کے یقین و احساس پر رکھی گئی ہو۔

ایک بین الاقوامی تحریک | یہ جماعت قوم پرست اور وطن پرست جماعتوں کی طرح اپنے مطمحِ نظر کو اپنے ہی ملک کے حدود تک محدود نہیں رکھتی، بلکہ پوری انسانیت کی فلاح اس کے پیشِ نظر ہے۔ پاکستان میں اس کی کوششیں محض برائے پاکستان نہیں ہیں، بلکہ وہ چاہتی ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے ملک کے نظامِ زندگی کو مذکورۂ بالا نظریہ کے مطابق درست کریں، پھر اس کو تمام دنیا کے لیے نمونۂ ہدایت اور ذریعۂ اصلاح بنائیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا مقصدِ زندگی ساری دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور حق کا بول بالا کرنا ہے۔ مگر دنیا میں ہم یہ خدمت اس وقت تک انجام نہیں دے سکتے جب تک سب سے پہلے خود اپنے گھر میں حق کا بول بالا نہ کر لیں۔ صرف یہی ایک صورت ہے جس سے ہم دنیا پر یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہم خود عملاً اس حق کی پیروی کر رہے ہیں جس کی طرف دوسروں کو دعوت دینا چاہتے ہیں۔ اور صرف اسی صورت سے دنیا کے سامنے اس امر کی شہادت پیش کی جا سکتی ہے کہ حق پرستی کس چیز کا نام ہے اور کیا اس کے نتائج اور فوائد ہیں۔

اسلام کا عملی نفاذ | اس جماعت کے نزدیک پاکستان میں دراصل کسر اس چیز کی نہیں ہے کہ یہاں خدا اور آخرت اور رسالت کے ماننے والوں کی کمی ہے، بلکہ اس چیز کی ہے کہ جس حق کو یہاں کے باشندوں کی اکثریت مانتی ہے وہ عملاً نافذ ہو اور اسی پر ہمارے ملک کا پورا نظامِ زندگی قائم ہو۔ یہ کوئی معمولی کسر نہیں ہے بلکہ ایک بہت بڑی کسر ہے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے ہمارا یہ ملک ایک اسلامی ملک ہونے کے باوجود نہ اسلام کی نعمتوں اور برکتوں سے خود فائدہ اٹھا رہا ہے نہ دنیا کے لیے اسلام کی حقانیت کا گواہ بن رہا ہے۔ اور یہ کسر اس لحاظ سے بھی کوئی ہلکی کسر نہیں ہے کہ اسے پورا کر دینا آسان ہو۔ اس کی پشت پر بہت سے طاقتور اسباب ہیں جنہیں بڑی سخت جدوجہد ہی کے بعد دُور کیا جا سکتا ہے۔

ایک طرف ہمارے عوام کی اسلام سے ناواقفیت ہے جس کی وجہ سے وہ اس دین کے عقیدت مند ہونے کے باوجود اس کی صحیح پیروی سے قاصر ہو رہے ہیں۔

دوسری طرف ہمارے اندر بہت سے ایسے مانعِ اصلاح عناصر کی موجودگی ہے جو اپنے تعصّبات کی وجہ سے یا اپنی اغراض کی خاطر مختلف پرانی یا نئی جاہلیتوں سے چمٹے ہوئے ہیں اور خالص اسلام کے قیام کی راہ روک رہے ہیں۔

تیسری طرف ہمارا ماضی قریب ہے جو ہمیں اس حال میں چھوڑ گیا ہے کہ انگریزی اقتدار نے اپنی تعلیم سے، اپنے تہذیبی و تمدنی اثرات سے، اپنے قوانین سے، اپنے معاشی نظام سے، اور اپنی انتظامی پالیسی سے ہماری زندگی کے ہر شعبہ کو غیر اسلامی سانچوں میں ڈھال دیا ہے، حتیٰ کہ ہمارے مذہبی عقائد اور ہمارے اخلاق تک کی جڑیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔

ان سب پر مزید یہ کہ انگریز کے رخصت ہو جانے کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں ہماری قومی زندگی کی باگیں آئی ہیں اور جن کو اس نوخیز ریاست کی تعمیر و تشکیل کے اختیارات ملے ہیں وہ اگرچہ اسلام ہی کا نام لے کر برسرِ اقتدار آئے ہیں، اسلامی دستور کا حلف لے کر ہی حکومت کی کرسیوں پر بیٹھے ہیں، اور دعویٰ یہی کرتے ہیں کہ ہم یہاں اسلام کے مطابق کام کرنا چاہتے ہیں، لیکن نہ تو وہ اسلام کو جانتے ہیں، نہ ان کی اپنی زندگیاں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ وہ اسلام کے طریقہ پر خود عامل ہیں، اور نہ ان کا اب تک کا طرزِ عمل یہ امید دلاتا ہے کہ ان کے ہاتھوں یہ ملک کبھی قومیت کے راستہ سے ہٹ کر اسلام کے راستے پر چل سکے گا۔

یہ ہیں وہ بڑے بڑے بنیادی اسباب جس کی وجہ سے پاکستان میں اس کسر کو پورا کر دینا کوئی آسان کام نہیں ہے کہ یہاں کے باشندوں کی اکثریت جس چیز کو حق جانتی اور مانتی ہے وہ یہاں عملاً نافذ ہو اور اسی پر یہاں کا پورا نظامِ زندگی قائم ہو۔

اسلامی انقلاب کی راہ کے موانع

جماعت اسلامی ان تمام اسباب کو دُور کرنے کے لیے ایک مدت سے کوشاں ہے۔ وہ تحریر اور تقریر کے ذریعہ سے عوام میں اسلام کا علم پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ ان تمام نئی اور پرانی جاہلیتوں کے خلاف بھی نبرد آزما ہے جنہوں نے ہماری زندگی کے مختلف گوشوں میں ڈیرے جما رکھے ہیں۔ وہ انگریزی اقتدار کے ان تمام اثرات کو بھی کھرچنے کی کوشش کر رہی ہے جنہوں نے اخلاق

اور نظریات سے لے کر معاشرت اور سیاست تک ہماری ہر چیز کو اسلامی نقطۂ نظر سے مسخ کر کے رکھ دیا ہے وہ علمی حیثیت سے یہ بھی بتا رہی ہے کہ اسلامی اصولوں پر ہر شعبۂ حیات کی تعمیر جدید کس طرح کی جا سکتی ہے اور اس وقت کے مسائلِ زندگی کا حل کیا ہے۔ وہ عملی حیثیت سے اس بات کی کوشش بھی کر رہی ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر لوگوں میں خدا کی بندگی اور انبیاء کی پیروی کا جذبہ اور ایمانی اخلاق کا رنگ پیدا ہو اور ایسی سیرتیں تیار ہوں جن میں آخرت کی جواب دہی کا احساس کارفرما ہو۔

لیکن ان سب باتوں کے ساتھ وہ یہ بھی ضروری سمجھتی ہے کہ پاکستان کا نظامِ حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیا جائے جو اسلام کے مطابق کام کرنا جانتے بھی ہوں اور چاہتے بھی ہوں۔ یہ چیز اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر ہماری قومی حکومت کے ذرائع و وسائل اور حاکمانہ اختیارات اسلامی زندگی کی تعمیر میں استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ یہ چیز اس لیے بھی ضروری ہے کہ ایک بگڑی ہوئی حکومت اصلاح کے راستے میں سب سے بڑی مزاحم طاقت ہوتی ہے۔ اگر ایک طرف اصلاح کی خواہش رکھنے والے لوگ وعظ و تلقین اور تحریر و تقریر سے لوگوں کی زندگیاں درست کرنے کی کوشش کریں، اور دوسری طرف حکومت کی ساری طاقت اور اس کے سارے ذرائع لوگوں کے ذہن اور اخلاق اور معاملات کو بگاڑنے میں لگے رہیں تو ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ایسی حالت میں کتنی کچھ اصلاح ہو سکے گی۔ اس کے علاوہ یہ چیز اس بنا پر بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ اگر ایک طرف یہاں اسلامی اصلاح و انقلاب کے خواہشمند لوگ غیر سیاسی تدبیروں سے اسلامی زندگی کی تعمیر کے لیے کوشش کریں، اور دوسری طرف ہماری قومی حکومت کا انتظام ان فرنگیت مآب لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اپنی پوری سیاسی طاقت اس ملک کو انگلستان، امریکہ، یا روس کی نقل مطابق اصل بنانے کی کوشش میں صرف کر دیں، تو اس سے یہاں ایک سخت کشمکش رونما ہوگی جو کسی حیثیت سے بھی اس ملک کے لیے مفید نہیں ہو سکتی۔ اس طرح ہر ایک جو کچھ بنانے کی کوشش کرے گا دوسرا اسے بگاڑنے میں اپنی طاقت صرف کرتا رہے گا اور فی الواقع یہاں کچھ بھی نہ بن سکے گا۔

ہمارے انتخابی مقاصد یہی وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر جماعت اسلامی اپنی دوسری کوششوں کے ساتھ ساتھ

پاکستان کی سیاسی قیادت کو ایک صالح قیادت سے بدلنے کی جدوجہد بھی کر رہی ہے۔ اس جدوجہد میں اس کے پیشِ نظر اپنا اقتدار نہیں بلکہ ان اصولوں کا اقتدار ہے جن پر اس کا اور ساری مسلم امت کا ایمان ہے

وہ گمراہ اور آزمودہ غلط کار لوگوں کے مقابلہ میں ان لوگوں کو انتخاب کے لیے قوم کے سامنے لانا چاہتی ہے جو دین دار بھی ہوں اور دیانت دار بھی، اور اس کے ساتھ نظامِ حکومت چلانے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔

وہ عوام الناس کو صحیح انتخاب کی تربیت دینا چاہتی ہے، تاکہ وہ اپنے ووٹ کی قدر پہچانیں۔ اس کو بیچیں نہیں۔ نہ کسی کے دباؤ میں آکر دیں۔ نہ آنکھیں بند کر کے بے سمجھے بوجھے دیں۔ بلکہ خوب سوچ سمجھ کر، اصولوں کو جانچ کر اور آدمیوں کو پرکھ کر دیں۔

وہ انتخاب کے غلط طریقوں کی اصلاح کرنا چاہتی ہے جو اب تک ہمارے ملک میں دھن سے، دھونس سے، دھوکے اور دھاندلی سے جیتے جاتے رہے ہیں۔ جن میں جھوٹ، بہتان اور دشنام طرازیوں سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ جن میں نسل، برادری، صوبائیت اور فرقہ بندی کے تعصبات سے اپیل کی جاتی رہی ہے۔ جماعتِ اسلامی خود ایمانداری کے ساتھ اخلاق کے اصولوں کی پوری پابندی کرتے ہوئے یہ انتخابی جنگ لڑنا چاہتی ہے، اور دوسروں کو بھی اس قابل نہیں رہنے دینا چاہتی کہ وہ انتخابات میں ناجائز ہتھکنڈے استعمال کر کے عوام کی آزاد مرضی کے خلاف ان کے سروں پر سوار ہو جائیں۔

وہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی اصولوں کو کارفرما دیکھنا چاہتی ہے۔ اس کے پیشِ نظر پاکستان کو ایک ایسی ریاست بنانا ہے جو منکر کو مٹائے، معروف کو پروان چڑھائے، اور دنیا میں اللہ کا کلمہ بلند کرے۔ وہ چاہتی ہے کہ یہاں سے فرنگی دورِ اقتدار کی تمام باقیات السیئات کو ختم کر دیا جائے، معاشرے کی تعمیرِ نو اسلامی اقدار کی بنیاد پر کی جائے، حکومت کی پالیسی اسلامی عدل و انصاف کے اصولوں پر قائم ہو، اور ایک ایسی حقیقی جمہوریت وجود میں آئے جس میں عوام اپنی پسند کے آدمی برسرِ اقتدار لا سکیں، اور جن آدمیوں کو وہ پسند نہ کریں انہیں اقتدار کے منصب سے ہٹا سکیں۔

وہ ایک خادمِ خلق ریاست قائم کرنا چاہتی ہے جو ہر شہری کو غذا، لباس، مکان، تعلیم اور علاج بہم

پہنچانے کی ضامن ہو۔ جو لوگوں کے لیے رزقِ حلال کمانے کے زیادہ سے زیادہ اور کھلے مواقع بہم پہنچائے اور کسبِ حرام کے دروازے بند کرے۔ جو ایک طرف ملک کی دولت بڑھانے کی عاقلانہ تدبیریں عمل میں لائے اور دوسری طرف اس دولت کو زیادہ سے زیادہ انصاف کے ساتھ تقسیم کرنے کا انتظام کرے۔ جو لوگوں کے چیخنے چلانے سے پہلے ان کی ضرورتوں کو سمجھے اور فریاد سے پہلے ان کی مدد کو پہنچے۔ جو درحقیقت باشندوں کی خیر خواہ ہو اور باشندے اس کے خیر خواہ۔

یہ ہیں جماعت اسلامی کے انتخابی مقاصد۔ جو لوگ ان مقاصد سے اتفاق رکھتے ہوں انہیں ہم دعوتِ عام دیتے ہیں کہ وہ ان کے حصول میں ہمارے ساتھ تعاون کریں۔

بنیادی اصلاحات

جماعتِ اسلامی جو اصلاحی انقلاب اس ملک میں لانا چاہتی ہے، ظاہر ہے کہ وہ ایک دن میں نہیں لایا جاسکتا اور نہ معاشرے کو تیار کیے بغیر وہ اوپر سے مسلط کیا جاسکتا ہے۔ ایسا انقلاب بتدریج ہی آسکتا ہے۔ اس کے لیے ایک طویل مدت تک پیہم اور منظم سعی، دانشمندانہ منصوبہ بندی، انتھک محنت اور مسلسل تعمیری جدوجہد کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں پہلے مرحلے پر جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہے:-

۱۔ اصلاحِ قیادت | اولین اصلاح جس پر ہم دوسری تمام اصلاحات کو منحصر سمجھتے ہیں، یہ ہے کہ ایماندار، باصلاحیت اور خدا ترس لوگوں کو حکومت کا کام سپرد کیا جائے، تاکہ وہ قانون اور نظم و نسق کی طاقت سے معاشرے کے بگاڑ کو روکیں اور ملک کے ذرائع و وسائل کو ایک صالح معاشرے کی تعمیر میں استعمال کریں۔ کوئی اسکیم، خواہ کاغذ پر اس کا نقشہ کیسا ہی شاندار کھینچ دیا جائے، خود بخود نافذ نہیں ہو جاتی۔ زمین پر انسانی ہاتھ ہی اس کو نافذ کرتے ہیں۔ اس کو چلانے والے ہاتھ اگر اہل اور امین نہ ہوں تو کاغذی اسکیم سے کچھ نہیں بنتا۔

۲۔ حکومت کے مقصد کی تبدیلی | دوسری بنیادی اصلاح ہم حکومت کے مقصد میں کرنا چاہتے ہیں۔

بحالتِ موجودہ حکومت کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ نظم و نسق کو بس کسی نہ کسی طرح چلایا جائے اس سے آگے جس مقصد کی (عملاً نہیں بلکہ محض قولاً) نشان دہی کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کا معیارِ زندگی بلند کیا جائے۔ مگر یہ ایک درآمد شدہ مقصد ہے جو بیرونی ممالک کے لوگوں سے سن کر یہاں لے آیا گیا ہے۔ یہ ہماری روایات اور ہمارے نظامِ فکر کی پیداوار نہیں ہے۔ ہم حکومت کے لیے وہ مقصد متعین کرنا چاہتے ہیں جو قرآن کی رو سے ایک اسلامی حکومت کا مقصد ہے، اور وہ ہے اسلامی معیارِ اخلاق کے لحاظ سے "نیکی کو فروغ دینا اور بدی کو مٹانا" ہم کوشش کریں گے کہ یہی مقصد حکومت کی پوری پالیسی اور اس کے پورے نظم و نسق میں روح کی طرح کارفرما ہو۔ ہمارے نزدیک حکومت کو معیارِ زندگی سے پہلے اور اس سے بڑھ کر معیارِ آدمیت بلند کرنے کی فکر ہونی چاہیے۔

۳۔ **حکومت کے نقطۂ نظر کی تبدیلی** | تیسری بنیادی اصلاح جو ہم کرنا چاہتے ہیں، یہ ہے کہ حکومت کا نقطۂ نظر اور اس کا انداز یکسر تبدیل کر دیا جائے۔

ڈیڑھ دو سو برس تک اس ملک پر ایک بیرونی قوم حکمران رہی ہے۔ وہ یہاں خدمت کرنے نہیں آئی تھی بلکہ ایک غلام قوم سے خدمت لینے آئی تھی۔ اس کے زمانے میں حکومت کا سارا انداز آقائی اور فرعونی و نمرودی کا تھا، اور خود اس ملک کے جو لوگ حکومت کے کل پرزے بنے تھے وہ بھی اس فرعونیت کے ایجنٹ بن کر ملک کے باشندوں پر خدائی کرنے کے خوگر ہو گئے تھے۔ آزادی کے بعد حکومت کا یہ انداز آج تک نہیں بدلا ہے۔ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ حکام تک اپنے آپ کو آقا اور باشندگانِ ملک کو بندہ سمجھ کر ہی فرمانروائی کر رہے ہیں۔ ہم اس حالت کو بدل کر حکومت کے سارے نظام میں وہ اسپرٹ پیدا کرنا چاہتے ہیں جو اسلامی اخلاقیات کے مشہور اصول "سید القوم خادمھم" میں بیان کی گئی ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ حکومت کے نظام میں یہ بنیادی اصلاح نیچے سے نہیں بلکہ اوپر ہی سے آسکتی ہے۔ اگر صدرِ مملکت اور وزراء اور اعلیٰ حکام قوم کے خادم بن جائیں اور آقائی چھوڑ دیں تو پورے نظامِ حکومت کا انداز بدل جائے گا۔ اور اس کا بدلنا بڑی خیر و برکت کا موجب ہوگا۔ صرف اسی ایک اصلاح سے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے، نظمِ حکومت میں کارکردگی کی پوری اہلیت

پیدا ہو جائیگی، اور حکومت کے ساتھ باشندگانِ ملک کا رویہ بھی لازماً بدلے گا۔ لوگ ٹیکسوں کی ادائگی سے بچنے کی کوشش چھوڑ دیں گے، حکومت کے کاموں سے عدم دلچسپی اور عدم تعاون کی روش ترک کر دیں گے، اور حکومت کے بارے میں ان کی مخالفانہ ذہنیت (opposition mindedness) ختم ہو جائے گی۔

۴۔ **تعلیم اور ماحول کی اصلاح** چوتھی بنیادی اصلاح جو ہمارے نزدیک بڑی اہمیت رکھتی ہے، یہ ہے کہ ملک کا نظامِ تعلیم بدلا جائے اور عوام کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا انتظام کیا جائے۔

ہم ایک نیا ماحول اور ایک نیا معاشرہ پیدا کرنے کے خواہشمند ہیں۔ اس مقصد کے لیے پورے نظامِ تعلیم کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں از سرِ نو ترتیب دینا بالکل ناگزیر ہے۔ انگریزی دور کا نظامِ تعلیم ہمارے کسی کام کا نہیں، بلکہ الٹا نقصان دہ ہے۔ ہمیں ایک ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جو ایک نئی آزاد مسلم مملکت کے لیے موزوں کارکن، کارفرما اور شہری تیار کرے اور ایک ترقی کرنے والے ملک کی بڑھتی ہوئی تعلیمی ضروریات پوری کر سکے۔

ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ملک سے جہالت دُور کی جائے، ملک کی ساری آبادی کو کم از کم نوشت و خواند کے قابل بنا دیا جائے، اور تعلیم کو عام کرنے کے لیے ایسی سہولتیں فراہم کی جائیں کہ کوئی شخص محض وسائل کی کمی کے باعث اپنی صلاحیت کے مطابق اونچی سے اونچی تعلیم سے بھی محروم نہ رہ سکے۔

اس کے ساتھ ہم نشر و اشاعت اور تبلیغِ افکار کے ان تمام جدید ذرائع کو، جنہیں آج اخلاقی بگاڑ پھیلانے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، وسیع پیمانے پر عوام الناس میں علم پھیلانے، اور ان کی اخلاقی و ذہنی تربیت کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں، اور ان چیزوں کے ہر ایسے استعمال کو روک دینا چاہتے ہیں جو ذہن اور اخلاق پر بُرا اثر ڈالنے والا ہو۔

ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ تمام اقدامات کیے جائیں، اور ان کے ساتھ حکومت کے قوانین اور انتظامی اختیارات بھی اخلاقِ عامہ کی اصلاح اور بد اخلاقیوں کے سدباب میں مددگار ہوں تو ایک بنیادی تبدیلی رونما ہو کر رہے گی۔ رشوت، خیانت، فحاشی، ظلم و ستم اور بے راہ روی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ملک کے مختلف ذرائع اور عوام کی تمام تر قوتیں تعمیری کاموں پر صرف ہونے لگیں گی اور اس ملک کا پورا معاشرتی

ماحول رفتہ رفتہ تبدیل ہو کر آئندہ نسل کے لیے اس طرح سازگار ہو جائے گا کہ وہ ایک مکمل اسلامی حکومت کا نمونہ پیش کر سکے گی۔

۵۔ منصفانہ معاشی پالیسی | پانچویں اصلاح ہم ملک کے معاشی نظام میں کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ایک ایسی معاشی پالیسی کے طالب ہیں جس کے ذریعہ سے ـــ

(۱) کسبِ حرام کے دروازے بند ہوں اور رزقِ حلال کے دروازے کھلیں۔

(۲) زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کی جاسکے۔

(۳) ملک کی آبادی کے درمیان بہتر اور منصفانہ تقسیم دولت کا انتظام کیا جاسکے۔

(۴) کسانوں، مزدوروں اور دوسرے کم آمدنی رکھنے والے طبقوں کو فوری امداد بہم پہنچائی جاسکے، اور

(۵) اجتماعی ضمانت (social security) کی ایک وسیع اسکیم کے تحت بیواؤں، یتیموں، ضعیفوں، بیماروں، اپاہجوں اور بے روزگاروں کو مدد دی جاسکے۔

۶۔ دستوری اور قانونی اصلاحات | چھٹی اصلاح ہم ملک کے دستور و قانون میں کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس امر کی پوری کوشش کریں گے کہ پاکستان کے دستور کو مکمل طور پر اسلامی اور جمہوری بنایا جائے، ملک میں جو قوانین اس وقت رائج ہیں ان کو اسلامی احکام اور اصولِ عدل و انصاف کے مطابق درست کیا جائے اور اسلام کے جو احکام نفاذ طلب ہیں ان سب کو قانون کی حیثیت سے رائج کیا جائے۔ ہمارے نزدیک اسلامی قوانین کی تدوین اور ان کے نفاذ کے لیے کسی لا کمیشن کی نہیں بلکہ قانون سازوں میں ایمان کی ضرورت ہے۔

۷۔ مستقبل کے لیے منصوبہ بندی | ان سب امور کے ساتھ ہم ایسی مستقل بنیادیں رکھ دینا چاہتے ہیں جن پر مستقبل میں وہ اسلامی معاشرہ ارتقا پذیر ہو سکے جو دنیا بھر میں اقامتِ دین کی خدمت انجام دینے کے قابل ہو۔ اس مقصد کے لیے ماہرین کے ایسے کمیشن مقرر کیے جائیں گے جو ہماری سوسائٹی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کر کے ایسی تجاویز پیش کریں جن کے ذریعہ سوسائٹی کو بتدریج اسلامی خطوط پر ڈھالا جاسکے۔

پالیسی اور پروگرام

۱- خارجہ پالیسی

پاکستان ایک اصولی اور نظریاتی ریاست ہے، لہٰذا اس کی ملکی اور بین الاقوامی پالیسی لازماً اس کے اختیار کردہ نظریۂ حیات پر قائم اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ہونی چاہیے۔ ہمارے نظریۂ حیات کا فطری تقاضا یہ ہے کہ ہم دنیا میں حق اور انصاف کے علمبردار ہوں، ظلم و زیادتی کے مخالف ہوں، راستبازی سے خود کام لیں اور دوسروں کو اس پر آمادہ کریں، عہد و پیمان کے خود پابند رہیں اور دوسروں کو پاس عہد کی تلقین کریں۔

ہم امنِ عالم کے خواہشمند ہیں، اور اسے برقرار رکھنے کے لیے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے۔ لیکن ہماری نظر میں محض حالتِ جنگ کا نہ ہونا ہی امن کے مترادف نہیں ہے، بلکہ امن سے ہماری مراد یہ ہے کہ دنیا میں بین الاقوامی انصاف کی ایسی فضا قائم ہو جس میں تمام قوموں اور ملکوں کو آزادی کے ساتھ ترقی کے کھلے مواقع حاصل ہوں اور کوئی کسی کے جائز حقوق پر نہ دست درازی کرے، نہ کسی کی پُرامن ترقی میں رکاوٹ بنے۔

ہم سامراجیت اور استعماری نظام کو بین الاقوامی انصاف کے خلاف، اور ان بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب سمجھتے ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں فساد برپا ہوتا ہے۔ یہ سامراج خواہ مشرقی ہو یا مغربی، بہرحال قابلِ مذمت ہے۔ ہم اس کے خاتمہ کے لیے اپنی انتہائی کوشش کریں گے اور ہماری امداد و تائید ہمیشہ ان مظلوم قوموں کے ساتھ ہوگی جو ان بلاؤں کی شکار ہوں۔

ہم دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ دوستانہ تعاون کے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں، مگر کسی ایسے تعلق، دوستی یا اتحاد کے لیے تیار نہیں ہیں جو ہمارے نظریۂ حیات کے خلاف ہو، یا جس سے ہمارے جائز قومی مفاد پر آنچ آتی ہو یا جس کا ہماری آزادی و خود مختاری پر بُرا اثر پڑتا ہو۔ اس بنیاد کو قائم رکھتے ہوئے ہم امنِ عالم کے قیام اور آزادی، جمہوریت اور فلاحِ انسانی پر مبنی معاشرے کی تعمیر کے لیے دنیا کے ہر ملک سے تعاون کریں گے ــــ ایسا معاشرہ جس میں فرد کی آزادی اور اس کے بنیادی حقوق

پوری طرح محفوظ ہوں۔

ہمارے نزدیک بین الاقوامی انصاف کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ عالمی مسائل کے فیصلے میں چھوٹی اور بڑی قوموں کے درمیان طاقت کے لحاظ سے امتیاز قائم کیا گیا ہے، اور اصل فیصلہ کن اختیارات بڑی قوموں کو ان کی فوجی قوت اور مادی برتری کی وجہ سے سونپ دیئے گئے ہیں۔ آج بین الاقوامی تعلقات کا بناؤ اور بگاڑ محض پانچ بڑوں کی مرضی پر منحصر ہو کر رہ گیا ہے، اور یہ طاقتیں ہمیشہ معاملات کو انصاف اور حق کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ اپنے اپنے سامراجی مفاد اور استعماری حوصلوں کے نقطۂ نظر سے دیکھتی ہیں۔ کشمیر، الجزائر، فلسطین اور ہنگری کے معاملے میں ان کے متضاد طرز عمل نے اس حقیقت کو عالم آشکارا کر دیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر عالمی مسائل کو حل کرنے میں چھوٹی طاقتوں، بالخصوص مسلم ممالک کو اپنا صحیح پارٹ ادا کرنے کا موقع ملے تو قیامِ امن کے بہتر امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس غرض کے لیے ہمارے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی کی جائے۔

عالمِ اسلامی کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بین الاقوامی دنیا میں اس کا صحیح وزن اسی صورت میں محسوس کیا جائے گا، اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریق پر اسی وقت ادا کر سکے گا، جبکہ وہ اسلام کے اصولوں پر خود عامل ہو اور پھر انہی اصولوں پر متحد ہو کر کام کرے۔ اس لیے ہماری تمام کوششیں مسلم ممالک کو اسلام کی بنیاد پر متحد کرنے اور ان کے درمیان تعاون و اشتراک کے تمام ممکن ذرائع تلاش کرنے میں صرف ہونگی۔ متحدہ مساعی سے ایک طرف وہ خود اپنے مسائل کو بہتر طریق پر حل کر سکیں گے اور دوسری طرف دنیا میں حقیقی امن و سلامتی کے قیام کے لیے انتہائی مفید کام کر سکیں گے۔ ہم تمام دنیا کے مسلمانوں کے اتحاد، ان کی دینی و اخلاقی حالت کی اصلاح، اور ان کی خوشحالی و ترقی کے خواہاں ہیں اور ان کی تائید و حمایت کرنے اور مسائل کے حل میں ان کی امداد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔

کشمیر کا مسئلہ، جو بھارت کی بے شرمانہ جوع الارض، بڑی طاقتوں کی مجرمانہ چشم پوشی، اور ہمارے ملک کے اہل سیاست کی کم ہمتی کے باعث اب پاکستان کے لیے ایک مستقل ناسور بن چکا ہے، ہمارے

نزدیک صرف ایک ایسی پالیسی ہی کے ذریعے حل ہو سکتا ہے جو توکل علی اللہ، وسعت نظر اور حوصلہ و جرأت پر مبنی ہو۔ ہم کشمیر کے مظلوم باشندوں کو ہر قیمت پر آزاد کرانے کا عزم رکھتے ہیں خواہ یہ مقصد اقوام متحدہ کی مدد سے حاصل ہو یا اس کے بغیر۔

۲۔ دستوری اصلاحات

ہمارا موجودہ دستور آٹھ سالہ عوامی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ یہ اسلامی اور جمہوری قوتوں کی نمایاں فتح تھی۔ تاہم یہ باشندگان پاکستان کی تمناؤں اور مطالبہ کے عین مطابق نہیں ہے۔ اگرچہ اس میں اسلامی جمہوریت کے بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ اس میں بہت سی خامیاں اور چور دروازے بھی ہیں۔ ہم اس میں مندرجۂ ذیل اصلاحات کے خواہشمند ہیں۔

(۱) قرآن و سنت کو بالفاظِ صریح قانون کا ماخذِ اول تسلیم کیا جائے۔

(۲) اسلامی قانون کی تدوین اور اس کی تنفیذ کے لیے بہتر مشینری کا انتظام کیا جائے۔

(۳) پاکستان کے دونوں بازوؤں میں جداگانہ انتخاب کا طریقہ رائج کیا جائے۔

(۴) بنیادی حقوق کی دفعات میں سے تمام غیر معقول پابندیوں کو ختم کیا جائے اور خصوصاً احتیاطی نظر بندی (PREVENTIVE DETENTION) کی دفعہ کو منسوخ کر دیا جائے۔

(۵) عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل علٰحدہ اور مکمل طور پر آزاد کر دیا جائے۔

(۶) ہنگامی حالات میں بنیادی حقوق کو کلیتہً معطل کرنے کے اختیارات منسوخ کیے جائیں۔

(۷) مارشل لا لگانے اور انڈمنٹی ایکٹ جیسے قوانین بنانے کے غیر مشروط اور غیر محدود اختیار کو معقول حدود سے مقید کیا جائے۔

(۸) فوجی ملازمین کو فوجی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کا حق اس طرح دیا جائے جس طرح پاکستان کے دوسرے باشندوں کو دیا گیا ہے۔

(۹) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۳۔ قانونی اصلاحات

ملک کے موجودہ قوانین میں ہم حسب ذیل اصلاحات کرنا چاہتے ہیں:

(۱) سکیورٹی ایکٹ، سیفٹی ایکٹ، فرنٹیر کرائمز ریگولیشنز، اور ایسے تمام غیر منصفانہ قوانین کی تنسیخ جن کے ذریعہ حکومت کو مقدمہ چلائے بغیر کسی شخص کی آزادی سلب کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے یا جن سے شہریوں کے بنیادی حقوق پر ضرب پڑتی ہے۔

(۲) ایسے تمام ناروا قوانین یا پابندیوں کا خاتمہ جن کے ذریعہ پریس یا عوام کی آزادی رائے مجروح ہوتی ہے۔

(۳) بلا تاخیر ماہرین قانون کی ایک اعلیٰ اختیارات رکھنے والی کمیٹی کا تقرر جو رائج الوقت قوانین کو ملکی دستور کے ظاہری الفاظ اور باطنی روح کے مطابق بنا سکے اور ان تمام پیچیدگیوں کو دور کر سکے جو اب تک سامنے آئی ہیں۔

(۴) کورٹ فیس کو بتدریج ختم کرنا تاکہ لوگوں کو بلا معاوضہ انصاف حاصل ہو سکے۔

(۵) ضابطۂ دیوانی اور ضابطۂ فوجداری میں ایسی ترمیم و اصلاح جس سے عدالتوں میں جلدی اور بآسانی انصاف ہو سکے۔

(۶) بلا تاخیر ایسے قوانین بنوانا جن کے ذریعہ زنا، شراب، قمار بازی، عریانی، فحاشی، بردہ فروشی اور مخرب اخلاق فلموں، کتابوں، رسالوں اور اشتہارات کو روکا جا سکے۔

(۷) عورتوں کو شریعت کے عطا کردہ حقوق دلانے کے لیے قوانین بنانا اور رائج الوقت عائلی قوانین کو احکام شریعت سے ہم آہنگ کرنا۔

(۸) اسلامی اصولوں کے مطابق معاشرے کی اصلاح و تعمیر کے لیے نئے قوانین بنانا۔

۴۔ معاشی اصلاحات

پاکستان بہت بڑی حد تک ایک زراعتی ملک ہے جو رفتہ رفتہ صنعتی ترقی کی طرف بڑھ رہا ہے

یہاں زراعت اور صنعت، دونوں ہی کی ترقی برابر توجہ کی مستحق ہے۔ حکومت نے اب تک زراعت کی طرف سے غفلت برت کر بڑی سخت غلطی کی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ملک تقریباً قحط زدہ ہو چکا ہے۔ اور اناج کی درآمد پر سالانہ تقریباً اسّی کروڑ روپیہ صرف ہو رہا ہے۔ ہم ملک کو اس دلدل سے نکالنا چاہتے ہیں۔

ہماری اقتصادی پالیسی معاشی زندگی کے تمام شعبوں اور ملک کے تمام حصوں کی متوازن اور متناسب ترقی پر مبنی ہو گی۔ ہم زراعت اور صنعت میں، چھوٹے اور بڑے پیمانے کی صنعتوں میں، ملک کی آبادی اور فراہمی روزگار میں، اور ملک کے مختلف حصوں اور علاقوں کی ترقی میں توازن قائم کرنا چاہتے ہیں۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارا ملک نیم ترقی یافتہ اقتصادی نظام کی تمام کمزوریوں سے دوچار ہے — سرمائے کی کمی ہے، حوصلہ مندانہ پیش قدمی کا فقدان ہے، فنی واقفیت سے لاعلمی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دور اندیش، وسیع النظر اور حقیقت پسندانہ اقتصادی رہنمائی سے محرومی ہے — ہمیں ان سب کا علاج کرنا ہے۔

ہماری معاشی پالیسی اس حقیقت پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز کو انسان کے لیے پیدا کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اصل قدر و قیمت انسان کی ہے اور ترقی کا پیمانہ انسان کی فلاح و بہبود ہے۔ اجتماع سرمایہ نہیں۔ اس لیے سرمائے کو انسان کا خادم ہونا چاہیے نہ کہ انسان کو سرمائے کا بندۂ غلام۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ تمام قوتیں جو خدا نے انسان کے لیے مسخّر کی ہیں، انسانی فلاح و بہبود کے لیے استعمال ہونی چاہییں۔ سرمائے اور زمین کے ذرائع کا صحیح مصرف وہ ہے جس سے بنی آدم کو خوشحالی اور ترقی نصیب ہو۔ ہم اس نظام کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جو چند لوگوں کو امیر سے امیر تر بناتا چلا جائے، اور بے شمار خلقِ خدا کو ابتدائی انسانی ضروریات تک سے محروم رکھے۔

دوسرے شعبوں کی طرح معیشت کے شعبہ میں بھی ہماری کوشش یہ ہو گی کہ ایک طرف ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اور دوسری طرف اپنے ملک کے حالات و ضروریات کو ملحوظ رکھ کر معاشی

نظام کی از سر نو تعمیر کریں۔ اس سلسلہ میں ہمارا پروگرام حسب ذیل ہے

الف۔ زرعی اصلاحات

۱۔ ملک میں خوراک کی کمی کا مسئلہ حل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل تدابیر اختیار کی جائیں گی، تاکہ آئندہ پانچ سال کے اندر خوراک کی پیداوار میں تقریباً پچاس فی صدی اضافہ ہو جائے۔

(۱) افتادہ قابلِ کاشت زمینوں کو زیرِ کاشت لانا۔

(۲) بنجر زمینیں جو اصلاح کے قابل ہوں، انہیں قابلِ کاشت بنا کر زیرِ کاشت لانا،

(۳) سیم اور شور کے پھیلاؤ کو روکنا، اور ان سے متاثر شدہ زمینوں کی اصلاح کرنا،

(۴) بہتر قسم کی کھاد اور کھیتی باڑی کے ترقی یافتہ وسائل اور طریقوں کو رواج دینا،

(۵) آب پاشی کے موجود اور ممکن وسائل کو پوری طرح استعمال کرنا،

(۶) کیڑوں سے فصلوں کو محفوظ کرنا، سمندری پانی سے زمین کو بچانا، اور دوسرے ان اسباب کو رفع کرنا جو پیداوار کی کمی کے موجب ہوتے ہیں،

(۷) نقد آور فصلوں (CASH CROPS) اور خوراک پیدا کرنے والی فصلوں کے درمیان صحیح توازن قائم کرنا۔

۲۔ تمام ایسی زمینداریوں کے متعلق، جو دو سو ایکڑ نہری و چاہی یا ۴ سو ایکڑ بارانی سے زیادہ رقبے کی ملکیت پر مشتمل ہوں، تحقیقات کی جائے گی کہ ان میں سے کون شریعتِ اسلامیہ کی رو سے جائز ملکیت کی تعریف میں آتی ہے اور کون اس تعریف میں نہیں آتی۔

جو زمینداریاں اس تعریف سے خارج پائی جائیں گی ان کا صرف دو سو ایکڑ نہری و چاہی یا ۴ سو ایکڑ بارانی حصہ موجودہ قابضوں کے پاس رہنے دیا جائے گا، باقی ماندہ رقبہ بلا معاوضہ ان کے قبضے سے نکال کر مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے اور استحقاق میں ان لوگوں کا حق مقدم رکھا جائے گا جو فی الحال ان زمینوں میں کاشت کر رہے ہیں۔

جو زمینداریاں جائز ملکیت قرار پائیں گی انہیں ایسے قوانین کا پابند بنایا جائیگا جن سے وہ

تجارتی مضاربت کی طرح مالک اور مزارع کے درمیان محض ایک زراعتی شرکت کی حیثیت اختیار کریں اور ظلم و جور کا ذریعہ نہ بن سکیں۔ نیز قانون میں یہ صراحت کی جائے گی کہ ہر ایسی زمینداری قابلِ ضبطی ہے جو آلۂ ظلم بن گئی ہو، یا ریاست کے اندر ایک ریاست کی شکل اختیار کر رہی ہو، یا جسے ناجائز طریقوں سے سیاسی قوت و اثر حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا گیا ہو۔

۳۔ تمام ایسی جاگیروں کے متعلق بھی، جو دو سو ایکڑ نہری و چاہی یا ہم سو ایکڑ بارانی سے زیادہ رقبے پر مشتمل ہوں، یہ تحقیقات کی جائے گی کہ وہ کن خدمات کے صلے میں یا کن خدمات کے لیے دی گئی تھیں۔ ان میں سے جو بھی ملک کے حقیقی مفاد کے سوا کسی اور خدمت کی خاطر دی گئی ہو اسے واپس لے لیا جائے گا، اور اس کے موجودہ قابضوں کی معقول کفالت کے لیے ایک مناسب رقبہ ان کی ملکیت میں دے دیا جائے گا جو کسی حالت میں دو سو ایکڑ نہری و چاہی یا ہم سو ایکڑ بارانی سے زیادہ نہ ہو گا۔

۴۔ جو اراضی خانقاہوں، گدیوں، مزاروں اور مذہبی اداروں کو مختلف زمانوں میں دی گئی ہیں ان کو شخصی قبضہ و تصرف سے نکال کر شرعی قانونِ وقف کے تحت لایا جائے گا، لیکن اس کے ساتھ ان لوگوں کی کفالت کے لیے معقول انتظام کر دیا جائے گا جن کی معیشت اب تک اس ذریعے پر منحصر رہی ہے۔

۵۔ مالکانِ اراضی اور کاشتکاروں کے درمیان انصاف قائم کرنے کے لیے حسبِ ذیل اصلاحات نافذ کی جائیں گی:

(الف) کاشت کار کو کم سے کم اتنا قطعۂ زمین اور اتنا حصّہ پیداوار لازماً دیا جائے جو بلحاظ اوسط اس کی بنیادی ضروریات کے لیے کفایت کر سکے۔

(ب) پیداوار کے مقرر حصّے یا طے شدہ لگان کے سوا مالکانِ زمین کو کاشت کاروں سے کوئی ٹیکس یا کوئی بلا معاوضہ خدمت لینے کا حق نہ ہو۔ نیز اس بیگار اور زائد از حق وصولی کا طریقہ پاکستان میں جہاں جہاں بھی اب تک رائج ہو اس کو بند کرنا حکومت کی ذمہ داری قرار پائے۔

(ج) مزارعین کی بے دخلی کے لیے ایسے قوانین بنائے جائیں جن میں مالکوں اور مزارعوں کے ساتھ یکساں انصاف ہو۔

(د) چھوٹے مالکانِ اراضی کے غیر موروثی مزارعین کو مزارع تابع مرضی (Tenants at will) قرار دیا جائے تاکہ ایسے مالکان کے جائز حقوق کا بھی تحفظ ہو سکے۔

(ھ) بے دخل شدہ مزارعین کی آبادکاری کا ایسا انتظام کیا جائے کہ کوئی کاشتکار بے روزگار نہ رہ جائے۔

(و) مالکوں اور کاشت کاروں کی باہمی شکایات رفع کرنے کے لیے ان کی مشترکہ پنچائتیں قائم کی جائیں۔

۶۔ سرکاری زیر کاشت زمینوں کے موجودہ انتظام میں جو نقائص پائے جاتے ہیں ان کی اصلاح کی جائے گی۔

۷۔ زرعی املاک پر دوسری تمام ملکیتوں کی طرح اسلامی قانونِ میراث عملاً نافذ کیا جائے گا خصوصاً عورتوں کو شرعی میراث سے محروم کرنے کی جاہلانہ رسم کا سختی کے ساتھ سدِ باب کر دیا جائے گا۔

۸۔ مشرقی پاکستان میں املاک متروکہ (Evacuee Property) کا قانون فوراً نافذ کیا جائے گا اور متروکہ جائدادیں اور زمینیں مہاجر اور مقامی مستحقین میں تقسیم کر دی جائیں گی۔

۹۔ کاشتکاروں کو جدید طریقہ ہائے زراعت سکھانے کا بڑے پیمانے پر انتظام کیا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے تعلیمی پالیسی میں زراعتی میلان پیدا کیا جائے گا، جگہ جگہ ماڈل فارم قائم کیے جائیں گے، اور تمام ممکن ذرائع سے نئے زرعی طریقوں کو مقبول بنایا جائے گا۔

۱۰۔ کاشتکار آبادی کے لیے زراعت کے سوا دوسرے مواقع روزگار بھی پیدا کیے جائیں گے تاکہ اس کی گذر بسر کا انحصار صرف زمین کی کاشت پر نہ رہے، اور یہ لوگ اپنے خالی اوقات میں بھی کچھ کما سکیں۔

۱۱۔ مزارعین اور خود کاشت کرنے والے چھوٹے زمینداروں کو قرضوں سے نجات دلانے کے لیے حسب ذیل خطوط پر ایک اسکیم عمل میں لائی جائیگی۔

(الف) قرضوں پر جتنا سود جمع ہو چکا ہے اسے منسوخ کر دیا جائے۔

(ب) قرضوں کی اصل رقم کے طویل المیعاد تمسکات (بانڈ) حکومت کی طرف سے قرض خواہوں کے نام جاری کر دیئے جائیں جن کے تحت حکومت ایک مقررہ میعاد میں قرض کی اصل رقم ان کو ادا کرنے کی ذمہ داری

لے گی۔ یہ تمسکات قابلِ فروخت ہوں گے۔

(ج) حکومت بانڈ کی میعاد کے اندر اندر مقروض سے قرض کی اصل رقم بالاقساط وصول کرے گی۔

(د) اسی اسکیم کے تحت ان رہن شدہ زمینوں کو بھی واگزار کرایا جائے گا جن سے مرتہن لوگ شریعت کے خلاف ناجائز انتفاع کر رہے ہیں۔

۱۲- امداد باہمی کی ایک ملک گیر تحریک چلائی جائے گی جس کے ذریعہ امداد باہمی کی کثیر الاغراض (Multipurpose) سوسائٹیاں قائم کی جائیں گی تاکہ وہ کاشتکاروں کی زرعی، کاروباری، اور ذاتی حاجات کے لیے فراہمیٔ سرمایہ کی ضروریات پوری کر سکیں۔

۱۳- زرعی امداد باہمی (Cooperative Farming) کے طریقوں کو رائج کیا جائے گا تاکہ چھوٹی چھوٹی زمینداریوں کو مجتمع کیا جا سکے اور زراعت کے جدید طریقوں کو زیادہ اچھی طرح استعمال کیا جا سکے۔

۱۴- استمالِ اراضی کے لیے ضروری قوانین بنائے اور عملی اقدامات کیے جائیں گے۔

۱۵- لگان کی شرح میں یکسانی پیدا کرنے اور زمینوں کی موجودہ صورتِ حال کے مطابق درجہ بندی کرنے کے لیے از سرِ نو بندوبست کا انتظام کیا جائے گا۔

۱۶- دیہاتی علاقوں میں غیر کاشت کار اور غیر مالک لوگوں کو سکونت کے لیے زمین حاصل کرنے اور مکان بنانے کے حقوق دیئے جائیں گے۔

۱۷- ملک کے جن حصوں میں ابھی تک چک بندی نہیں کی گئی ہے وہاں اس کا انتظام کیا جائے گا تاکہ آبادی میں مدنیت کا احساس نشو و نما پا سکے اور تعلیم، علاج، ذرائع نقل و حرکت اور رفاہِ عام کے دیگر ذرائع آسانی سے مہیا کیے جا سکیں۔

۱۸- مویشیوں کی صحت اور بہتر معیار کے لیے اور ان کی اچھی نسلوں کے تحفظ اور مقبولیت کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں گے اور تمام دیہاتی علاقوں میں جانوروں کے علاج کا انتظام کیا جائیگا۔

(ب) صنعتی پالیسی

۱- ہم ملک کی صنعتی توانائیوں کو بلا تاخیر پروان چڑھانا چاہتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک بنیادی اور

بڑی صنعتوں، اور روزمرہ کی ضروریات فراہم کرنے والی صنعتوں کے درمیان توازن قائم کرنا ضروری ہے بلاشبہ بڑی صنعتوں کو پیمانۂ کبیر پر منظم کرنا بھی ایک اہم ضرورت ہے، مگر اس کے ساتھ ہر حصّہ ملک میں اس کی ضروریات و حالات کے مطابق ایسی چھوٹی صنعتیں بھی ہونی چاہییں جو عام استعمال کی چیزیں تیار کرتی رہیں۔ ہمارے نزدیک برقی قوت سے چلنے والی گھریلو اور چھوٹی صنعتیں بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے ذریعہ معاشی نظام کی کارکردگی کو متاثر کیے بغیر بے روزگاری کا مسئلہ بھی حل کیا جاسکتا ہے، اور اس تمدنی بحران کا سدّباب بھی ہوسکتا ہے جو سرعت کے ساتھ رونما ہونے والی سماجی تبدیلیوں کی بدولت پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ ہم اصولاً اس کو صحیح نہیں سمجھتے کہ حکومت خود کارخانہ دار بنے اور کاروباری ادارے چلائے۔ لیکن جس مرحلے سے ہمارا ملک گزر رہا ہے اس میں ہمارے معاشی حالات اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ حکومت ایک طرف نئی صنعتیں قائم کرنے کے لیے عوام کی حوصلہ افزائی کرے اور دوسری طرف خود ایسی صنعتوں کی بنیاد ڈالے جن کی ملک کو ضرورت ہو اور نجی سرمایہ جن کی ابتدا کرنے سے ہچکچا رہا ہو۔ اس طرح جو صنعتیں حکومت کے انتظام میں شروع کی جائیں انہیں رفتہ رفتہ نجی کاروبار کے حوالے کر دینا چاہیے۔ لیکن اس امر کا پورا اہتمام کرنا چاہیے کہ یہ صنعتیں چند بڑے بڑے اجارہ داروں کے ہاتھ میں نہ چلی جائیں بلکہ عوام کو ان کے سرمایے میں شریک ہونے کا پورا موقع حاصل ہو۔

۳۔ ہم ملک کی صنعتی ترقی کے لیے خود ملک ہی سے سرمایہ فراہم کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لیے ہم تمام مناسب تدابیر اختیار کریں گے۔ تاہم بیرونی سرمایہ سے بھی ہم فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ وہ سیاسی پھندوں سے پاک ہو، اور بیرونی سرمایہ داروں کے بے جا استحصال کا ذریعہ نہ بن جائے۔

۴۔ ہم اسلحہ سازی اور دوسری ایسی صنعتوں کی طرف خاص توجہ دیں گے جو دفاعی مقاصد کے لیے اہمیت رکھتی ہیں۔

۵۔ ہم اجارہ داری کو ختم کریں گے اور ایک ایسا کمیشن مقرر کریں گے جو چائے، نمک اور اسی قسم

کی دوسری صنعتوں کے حالات کی چھان بین کرے۔

۶۔ ہماری یہ کوشش ہو گی کہ گھریلو صنعتوں کو غیر منصفانہ بیرونی مسابقت سے بچایا جائے اور پاکستانی اشیاء کی ہمت افزائی کی جائے۔ لیکن ہم کارخانہ داروں کو اس تحفظ (Protection) کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانے دیں گے۔

۷۔ صنعتی تعلقات میں قیام عدل و انصاف کے لیے ہم حسب ذیل اقدامات کریں گے:۔

(۱) ہفتہ کار زیادہ سے زیادہ ۴۲ گھنٹے کا،

(۲) ہفتے میں کم از کم ڈیڑھ دن کی لازمی چھٹی،

(۳) مزدوروں اور ملازموں کے لیے کم سے کم اُجرت اور تنخواہ کی ایک قانونی حد جس کا تعین اس بنیاد پر کیا جائے گا کہ ایک کارکن کو لازماً اتنا معاوضہ ملنا چاہیے جو اس کی انسانی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہو۔

(۴) ۱۲ سال سے کم عمر کے بچوں سے محنت لینے کی ممانعت۔

(۵) عورتوں اور مردوں سے یک جا کام لینے کی ممانعت۔

(۶) بیماری اور مشینی حادثات کی صورت میں اجیروں کے علاج کا انتظام، نیز ناقابل کار ہو جانے کی صورت میں منصفانہ معاوضہ، اور ریٹائر ہونے پر پنشن یا پراویڈنٹ فنڈ کا انتظام۔

(۷) محنت کاروں کے لیے صحت مندانہ ماحول میں کام کرنے کا انتظام۔

(۸) محنت کاروں کو صنعتوں میں تدریج حصہ دار بنانے کے طریقے کو رائج کرنا۔

(۹) تحفظ ملازمت۔

(۱۰) صنعتی تنازعات کو پُرامن طریقے سے طے کرنے کے لیے ضروری انتظامات۔ ملک کے دونوں حصوں میں مستقل صنعتی عدالتوں کا قیام۔ نیز اجیروں اور مستاجروں کی ایسی مشترک کونسلوں کا قیام جو باہمی شکایات کو دُور کر سکیں تاکہ ہڑتالوں اور قفل بندیوں کی نوبت نہ آنے پائے۔

(۱۱) صحیح اصولوں پر پیشہ وارانہ تنظیم (Healthy Trade Unionism) کی حوصلہ افزائی۔

(۱۲) محنت کاروں کی سکونت کے لیے بہتر مکانات کا انتظام اور ان کے بچوں کے لیے تعلیم اور کھیل کود کی آسائشوں کا بندوبست۔

۸۔ ہم اس بات کا سختی سے اہتمام کریں گے کہ جلد از جلد پاکستان کے دونوں حصوں کی صنعتی ترقی میں توازن قائم کیا جائے اور ملک کے تمام حصے اور علاقے صنعتی خوشحالی سے یکساں مستفید ہوں۔

ج۔ منصفانہ معیشت اور خوشحال معاشرہ

ہمارا مقصد ایک ایسی منصفانہ معیشت اور خوشحال معاشرہ قائم کرنا ہے جس میں ہر فرد کو حسناتِ زندگی میں سے معقول حصہ مل سکے۔ اس کے لیے حسب ذیل اقدامات ہمارے پیش نظر ہیں:۔

۱۔ ٹیکس عائد کرنے کی پالیسی میں ایسی اصلاح جس سے قومی دولت معاشرہ کے تمام افراد میں انصاف کے ساتھ تقسیم ہو اور دولت و خوشحالی چند خوش نصیبوں کا اجارہ بن کر نہ رہ جائے (کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم)۔

۲۔ حکومت کی طرف سے زکوٰۃ و صدقات اور عام رفاہی اغراض کے لیے فی سبیل اللہ امانتیں وصول کرنے کا انتظام۔ یہ فنڈ شرعی قواعد کے مطابق حسب ذیل کاموں پر صرف کیا جائے گا:۔

(ا) غریبوں، محتاجوں، ضعیفوں اور اپاہجوں کو مالی سہارا اور پنشن۔

(ب) یتیموں اور غریبوں کی تعلیم

(ج) بے روزگاروں کو اس وقت تک سہارا دینا جب تک انہیں روزگار میسر نہ ہو۔

(د) ایسے لوگوں کی مدد کرنا جو تھوڑے سے سرمایہ سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہوں۔

(ھ) ضرورت مندوں اور مستحقوں کو بلا سود قرضے دینا۔

(و) غریبوں کو طبی امداد۔

(ز) مساجد، درسگاہوں اور دوسرے دینی اداروں کی اصلاح حال۔

(ح) علمی کام کرنے والوں کو وظائف۔

۳۔ افراطِ زر کی روک تھام، قیمتوں کو اعتدال پر لانا، اور اس سلسلے میں کم آمدنی والے طبقوں کو

سہارا دینے کے لیے حکومت کی طرف سے ایسی امداد دینا جس سے انہیں ضروریاتِ زندگی سستے داموں مہیا ہو سکیں۔

۴۔ روزمرہ ضرورت کی اشیاء مثلاً نمک، مٹی کے تیل، دواؤں اور کھانے کے تیلوں پر ٹیکس کی شرح کم کرنا۔

۵۔ تھوڑی زمین کے مالکان کے لیے مالیہ میں تخفیف۔

۶۔ کم تنخواہ پانے والے سرکاری ملازمین کی شرحِ تنخواہ اور شرحِ پنشن پر نظرثانی۔ اس میں یہ قاعدہ ملحوظ رکھا جائے گا کہ ہر ملازم کو لازماً اتنی تنخواہ ملنی چاہیے جس میں اوسطاً پانچ افراد کے ایک خاندان کی بنیادی ضروریات (غذا، لباس، مکان، تعلیم اور علاج) پوری ہو سکیں۔ اس قاعدے کا نفاذ فوجی اور سول تمام ملازمینِ سرکار پر یکساں ہو گا۔

۷۔ بڑی تنخواہوں کے معیار میں تخفیف، تاکہ چھوٹے اور بڑے ملازمین کے درمیان تنخواہوں کا حد سے بڑھا ہوا فرق گھٹ کر معقول حدود میں آجائے۔ ہمارے نزدیک انصاف کا کم سے کم تقاضا یہ ہے کہ تنخواہوں میں ایک اور ۳۰ سے زیادہ کا فرق باقی نہ رہنے دیا جائے، اس لیے ہم کوشش کرینگے کہ یہاں کوئی تنخواہ ۳ ہزار سے زیادہ اور سو روپے سے کم نہ ہو۔

۸۔ تعمیرِ مکانات کے لیے ایک ایسے ادارہ کا قیام جو غریبوں، مہاجروں، محنت کشوں اور کم تنخواہ پانے والے ملازمین کے لیے کم کرایہ کے مکانات بنائے اور کرایہ کے ذریعہ مکان کی قیمت وصول ہو جانے پر وہ مکان کرایہ دار کی ملکیت قرار پائے۔

۹۔ مستحق لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے غیر سودی قرض فراہم کرنے کا انتظام۔

۱۰۔ مڈل تک مفت لازمی تعلیم کا انتظام۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیمی اخراجات کو مناسب حد تک کم کرنا۔ محنت کشوں کی فنی تربیت کے لیے مالی امداد دینا۔

د۔ عام معاشی اصلاحات

مذکورۂ بالا تدابیر کے علاوہ ملک کے عام معاشی حالات کو درست کرنے کے لیے حسبِ ذیل

امور بھی ہمارے پیش نظر ہیں :

۱۔ اوقاف کی تنظیم۔

۲۔ بے جا تعیشات اور نمائشی فضول خرچیوں کو، تبلیغ و تلقین اور معاشرتی دباؤ اور قانون کے ذریعہ سے روکنا۔

۳۔ پرانی سڑکوں کی مرمت اور دیہی علاقوں میں راستوں کا انتظام یہاں تک کہ ہر گاؤں کا تعلق اپنے قریب کی کسی شاہراہ سے قائم ہو جائے۔

۴۔ پنچایتوں اور یونین بورڈوں کی اصلاح و ترقی۔

۵۔ قصبات اور دیہات میں صنعتی اور نجی ضروریات کے لیے بجلی کی فراہمی کا انتظام۔

۶۔ نئی نہروں اور بندوں کی تعمیر اور بھارت کی طرف سے نہری پانی کی رکاوٹ کے خلاف حفاظتی تدابیر۔

۷۔ ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکٹنگ اور اسمگلنگ کے خلاف سخت اقدامات۔

۸۔ ان تمام اشیاء کی خرید و فروخت اور ان تمام ذرائع تجارت کی روک تھام جنہیں اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔

۹۔ صحتمندانہ خطوط پر تجارت کی حوصلہ افزائی، خصوصاً برآمدی تجارت کی۔

۱۰۔ ملک کو سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچانے کے لیے مستقل انتظامات۔

۱۱۔ پٹ سن اور کپاس کی فروخت کے لیے اطمینان بخش انتظام، تاکہ کاشتکار اپنی پیداوار کو معقول قیمت پر آسانی سے فروخت کر سکے۔

۱۲۔ ملک کے معدنی ذخائر کا مکمل سروے۔ معدنی دولت سے استفادے کی زیادہ سے زیادہ کوشش۔ کان کنی اور معدنی صنعتوں کی حوصلہ افزائی۔

۱۳۔ اشیاء پر سے غیر ضروری کنٹرول ختم کرنا، اور تجارت کو حسب سابق کھلے بازار میں لانا۔

۱۴۔ اندرونِ ملک تجارت پر سے تمام بے جا پابندیاں ہٹانا تاکہ ملک کے مختلف حصوں میں

قیمتوں کا تفاوت ختم ہو۔

۱۵۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان تجارت کی آسانیاں بہم پہنچانا اور آمد و رفت کے مصارف کم کرنا۔

۵۔ مالیات

پاکستان کے نظامِ مالیات میں ہم حسبِ ذیل اصلاحات کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ ملک کے خزانے کو بتدریج ایسی آمدنیوں سے پاک کرنا جو اسلامی شریعت کی رو سے حرام ہیں یا اسلام کی معاشی پالیسی کے خلاف ہیں۔

۲۔ رفاہِ عام کے کاموں اور ان تجارتی کاموں سے جو سرکاری انتظام میں چلائے جا رہے ہوں، بے جا نفع اندوزی کو بند کرنا۔

۳۔ بتدریج سود کو اس کی ہر شکل میں بند کر دینا۔

۴۔ ٹیکس عائد کرنے اور وصول کرنے کے طریقوں میں ایسی اصلاحات جن سے ٹیکسوں کا بوجھ انصاف کے ساتھ ہر طبقے پر اس کی استطاعت کے مطابق پڑے اور وہ تمام اسباب ختم ہوں جن کی بدولت ٹیکسوں سے بچنے کے لیے معاشرے میں جھوٹ خیانت اور جعل و فریب کی بیماریاں پھیلتی ہیں۔

۵۔ اس منشور میں جو اصلاحی پروگرام تجویز کیا جا رہا ہے اس کے مالی بار کو سہارنے کے لیے حسبِ ذیل تدابیر پر اعتماد کیا جائے گا:

(ا) نظم و نسق اور معاشرے کی اخلاقی اصلاح جس سے رشوت، خیانت، غبن، نا فرض شناسی اور ادائے محاصل سے اجتناب کی بیماریاں دور ہوں۔ اس اصلاح سے لازماً حکومت کی آمدنی بڑھے گی اور مصارف کم ہونگے۔

(ب) حکومت کے مصارف میں اسراف کی تمام موجودہ صورتوں کا انسداد اور آئندہ کے لیے ان کی روک تھام۔

(ج) اصلاح و تعمیر اور ترقی کے اس پروگرام کی اہمیت پبلک کے ذہن نشین کرنا اور اجتماعی مفاد

کے ساتھ پبلک کی دلچسپیوں اور ہمدردی کو ابھارنا۔ نیز کارکنانِ حکومت کی دیانت و امانت کا اعتماد عوام کے دلوں میں قائم کرنا۔ اس طریقہ سے حکومت کو رضاکارانہ مالی امداد عطیوں اور قرضِ حسن کی صورت میں بھی باسانی مل سکے گی۔

(د) بدرجۂ آخر مزید ٹیکس عائد کرنا جسے پبلک ایسی صورت میں بخوشی قبول کر سکتی ہے جبکہ اسے اس اصلاحی پروگرام کی افادیت کا بھی یقین ہو اور اس امر کا اطمینان بھی حاصل ہو کہ جو کچھ اس سے لیا جائے گا وہ ایمانداری کے ساتھ اسی کے مفاد پر خرچ ہوگا۔

۵۔ تعلیمی اصلاحات

ہم تعلیم کو اولین اہمیت دیتے ہیں اور یہ رائے رکھتے ہیں کہ اسلامی انقلاب لانے اور اس کو مستحکم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ معقول و مناسب تعلیم کا انتظام ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارا پروگرام حسب ذیل ہے:

۱۔ تعلیمی سہولتوں کو اس قدر عام کر دینا کہ تعلیم کسی شہری کی دسترس سے باہر نہ رہے اور ہر شخص کم از کم بنیادی تعلیم ضرور حاصل کرے۔

۲۔ اسلامی اصولوں کی روشنی میں نظامِ تعلیم کی اس طرح سے اصلاح کہ یونیورسٹیاں اور دینی دارالعلوم جلد سے جلد مل کر ایک ہی نظامِ تعلیم میں مدغم ہو جائیں اور یہی ایک نظامِ تعلیم ہمارے معاشرے کے لیے علمائے دین اور علمائے دنیا ایک ساتھ پیدا کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہم مندرجۂ ذیل تدابیر پر عمل کریں گے:۔

(الف) ماہرینِ تعلیم اور علمائے دین پر مشتمل ایک ایسے کمیشن کا تقرر جو دو سال کے اندر اندر نئے نظامِ تعلیم کا ایسا نقشہ پیش کرے جو اسلام اور ہمارے ملی مزاج کے موافق ہو۔

(ب) نصابِ تعلیم میں ایسی اصلاحات کرنا جن کے ذریعہ ایک ایسا نظامِ تعلیم قائم ہو جائے جو زندہ ضمیر رکھنے والے خداترس تعلیم یافتہ شہری پیدا کر سکے، ایسے شہری جن کے مزاج اسلامی رنگ

میں رنگے ہوئے ہوں، اور جن کی سیرت پر بھروسہ کیا جا سکے۔

(ج) مخلوط تعلیم کو ختم کرنا اور عورتوں کے لیے ان کی ضروریات کی مناسبت سے علیحدہ نصاب اور معقول تعداد میں اسکولوں اور کالجوں کا انتظام کرنا۔

۳۔ تعلیم کا انتظام لوکل باڈیز سے لے کر صوبائی حکومتوں کے سپرد کرنا۔

۴۔ جلدی سے جلدی مفت لازمی تعلیم کا انتظام اور اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیمی اخراجات میں معتدبہ تخفیف۔

۵۔ معلمین کی صحیح تربیت پر خصوصی توجہ تاکہ وہ طلبا میں اسلام کا شعور پیدا کر سکیں اور ہر درسگاہ میں تربیت یافتہ اساتذہ میسر آسکیں۔

۶۔ اساتذہ کی تنخواہوں کے اسکیل کو اس حد تک پُرکشش بنانا کہ سوسائٹی کے بہترین دماغ اس پیشہ کی طرف راغب ہو سکیں۔

۷۔ فنی تعلیم (TECHNICAL EDUCATION) کے لیے بہتر اور اعلیٰ انتظام خصوصاً فن زراعت، انجینئرنگ، طب اور فن تجارت کی تعلیم کے لیے۔

۸۔ ابتدائی اور ثانوی درسگاہوں میں دست کاری کی تعلیم تاکہ طلبا خود کفیل ہو سکیں۔

۹۔ دینی مدارس کی اس طرح اصلاح کہ دینی تعلیم جلد از جلد عام یونیورسٹی تعلیم کا جزو لاینفک بن سکے۔

۱۰۔ عربی کی تعلیم کو لازمی قرار دینا۔

۱۱۔ اردو اور بنگلہ کو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انگریزی کے بجائے ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے رائج کرنا۔

۱۲۔ تمام علاقائی زبانوں کی ترقی کے لیے مناسب اقدامات۔

۱۳۔ بڑے پیمانے پر تعلیم بالغاں کی ایک مہم جس سے ایک قلیل مدت میں اس ملک کے اندر خواندگی کا اوسط ۵۰ فی صدی تک پہنچ جائے۔

۱۴۔ تمام سائنٹیفک ذرائع سے لوگوں کے عام معیار علم و واقفیت کو بلند کرنا اور خصوصیت کے ساتھ انہیں اسلام، فرائض شہریت، اخلاق صالحہ، صحت عامہ، زراعت اور مختلف پیشوں کی

ضروری تعلیم دینا۔

۶۔ انتظامی اصلاحات

حکومت کے نظم و نسق میں ہم حسب ذیل اصلاحات کرنا چاہتے ہیں:۔

۱۔ سرکاری محکموں سے رشوت، خیانت اور دوسری بداخلاقیوں اور بے ضابطگیوں کو دُور کرنے کی مؤثر تدبیریں اختیار کرنا۔

۲۔ تمام ایسے اداروں میں جہاں سرکاری ملازمتوں کے لیے کارکنوں کی تربیت کی جاتی ہے۔ اخلاقی و دینی تعلیم و تربیت لازم کرنا تاکہ ان سے ایسے افسر تیار ہو کر نکلیں جو صرف قابل ہی نہ ہوں بلکہ خداترس، متدین اور فرض شناس بھی ہوں۔

۳۔ پبلک کے ساتھ سرکاری ملازموں کے رویّہ کو درست کرنا۔

۴۔ انگریزی دَور کے ضوابطِ ملازمت (SERVICE CONDUCT RULES) میں ایسی اصلاحات کرنا جن سے وہ معقول اور اسلام کے اخلاقی تقاضوں کے مطابق ہو جائیں۔

۵۔ انگریزی زبان کو سرکاری محکموں سے جلد از جلد رخصت کرنے اور اس کی جگہ اردو اور بنگلہ کے استعمال کو رواج دینے کے لیے مثبت اور مُؤثر اقدامات کرنا۔

۶۔ سرکاری افسروں کے لیے سرکاری ڈیوٹی کے وقت، نیز سرکاری تقریبات میں انگریزی لباس کے استعمال کو ممنوع قرار دینا اور ایسے تمام آثار کو مٹانا جن کی وجہ سے عوام الناس ابھی تک انگریزی دَور کی ذہنی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکے ہیں۔

۷۔ اتوار کے بجائے جمعہ کی چھٹی مقرر کرنا۔

۸۔ پولیس کے عام طور طریقوں کو درست کرنا اور خصوصاً تفتیش کے تمام وحشیانہ اور غیر مہذب طریقوں کو بند کر دینا۔

۹۔ سی۔آئی۔ڈی کے بے جا استعمال کو روک کر اسے رشوت خور سرکاری ملازمین کی نگرانی، جرائم کی روک تھام، سمگلنگ اور بلیک مارکیٹنگ کے انسداد میں استعمال کرنا۔

۱۰- پولیس کے شعبۂ احتساب (PROSECUTION BRANCH) اور شعبۂ تفتیش (INVESTIGATION BRANCH) کو عملاً علیحدہ کرنا (جو اب محض برائے نام الگ ہیں)۔

۱۱- جیل کے تمام وحشیانہ اور غیر مہذب ضابطوں کو مہذب اسلامی طریقوں کے مطابق بدلنا۔ اسے دار العذاب اور جرائم کی تربیت گاہ کے بجائے قیدیوں کی اخلاقی و ذہنی اصلاح کی جگہ بنانا اور اس میں ایسے طریقے رائج کرنا جن سے مجرمین شریفانہ زندگی کے قابل بن سکیں۔

۱۲- اسلام کے منشاء کے مطابق پیشۂ وکالت کی اصلاح۔

۷- معاشرے کی اصلاح و تعمیر

ملک کی اجتماعی و معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لیے ہمارا پروگرام یہ ہے:-

۱- قانون اور انتظام کی تمام طاقتوں اور حکومت کے تمام ذرائع و وسائل سے کام لے کر معاشرے کو ہر قسم کے فواحش اور بداخلاقیوں سے پاک کرنا، اور ان تمام اسباب کو ختم کرنا جو معاشرے میں جرائم اور اخلاقی مفاسد کی تحریک و اشاعت کے موجب بنتے ہیں۔

۲- نظامِ معاشرت کی ان خرابیوں کو دور کرنے کی طرف خاص توجہ کرنا جن کی وجہ سے لوگوں کی اخلاقی و معاشی حالت کو نقصان پہنچتا ہے، یا خاندان کے استحکام پر زد پڑتی ہے، یا شادی بیاہ میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں اور نوجوان اخلاقی بے راہ رویوں میں مبتلا ہوتے ہیں، یا حقوق و فرائض کے اس توازن میں خرابی واقع ہوتی ہے جو اسلام نے عورتوں اور مردوں کے درمیان قائم کیا ہے نیز نکاح و طلاق کے رسم و رواج کی اسلامی شریعت کی روشنی میں اصلاح۔

۳- عورتوں کے لیے حدودِ شرعیہ کے اندر تعلیم و ترقی اور سماجی فلاح کے تمام مواقع بہم پہنچانا تاکہ وہ حسناتِ زندگی سے مستفید ہو سکیں اور معاشرے میں اپنا صحیح مقام حاصل کر سکیں۔

۴- جس حد تک حکومت کے وسائل سے ممکن ہے اخلاقِ عامہ کی اصلاح اور عوام کی ذہنی تربیت کے لیے ایسے انتظامات کرنا جن سے لوگوں میں سچی خدا پرستی اور خدا ترسی پیدا ہو، اپنی اخلاقی و

اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون اور برائی کے کاموں میں عدمِ تعاون کی سپرٹ پیدا ہو، قانون کے احترام کا جذبہ اور اجتماعی مفاد کا درد پیدا ہو، اور عوام الناس اس قابل ہو سکیں کہ برائیوں کے انسداد، بھلائیوں کی ترویج اور اجتماعی فرائض کی ادائیگی کا انحصار محض قانونی جبر پر نہ رہے بلکہ لوگوں کی اپنی اخلاقی حس ان کاموں کے لیے کافی ہو۔

۵۔ عوام کو تنظیم اور تعاون کی تربیت دینے کے لیے امداد باہمی کے طریقوں اور پنچایتی نظام کی ترویج۔

۶۔ مساجد کو تہذیبِ ملت کے مراکز بنانے کے لیے ائمہ وخطبا کی تعلیم وتربیت کا انتظام، ان کو باعزت طریقہ سے معاوضے دلوانے کا انتظام، مساجد کے موجودہ نظامِ تولیت کی اصلاح، مساجد میں قرآن وحدیث کے درس کا اجراء اور دارالمطالعوں کا قیام (اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھی جائے گی کہ مسجدیں اقتدار کے بت کی پرستش گاہوں میں تبدیل نہ ہونے پائیں، حکومت مسجدوں کی خادم ہو نہ کہ ان کی حاکم اور ان کے منبروں کی اجارہ دار)۔

۷۔ حج کے سفر سے ان تمام ناروا پابندیوں کو دور کرنا جو جہازوں کی قلت اور زرمبادلہ کی کمی کے بہانے عائد کی گئی ہیں۔ کراچی اور چٹاگانگ میں اعلیٰ درجہ کے حاجی کیمپوں کا قیام جہاں حاجیوں کے لیے جملہ سہولتیں میسر ہوں۔ حاجیوں کی روانگی اور واپسی کے لیے ریلوں کے کرایے میں رعایت اور اسپیشل ٹرینیں چلانے کا انتظام۔ حجاز میں حج کے موقع پر دینی اور سماجی خدمت اور حاجیوں کی خبرگیری کے لیے موزوں انتظامات۔

۸۔ شہری دفاع کے لیے عوام کو تیار کرنا۔ اس مقصد کے لیے حسبِ ذیل تدبیریں خصوصیت کے ساتھ اختیار کی جائیں گی:۔

(۱) لوگوں میں جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونکنا، اور ان کے اندر قوم پرستی یا وطن پرستی کے بجائے اس نظامِ زندگی کی حفاظت کے لیے کٹ مرنے کا جذبہ پیدا کرنا جس کے برحق ہونے پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

(۲) سرکاری ملازمین اور زیر تعلیم طلبہ کو فوجی تربیت دینے کا خاص اہتمام۔

(۳) عوام کو ایک مقررہ منصوبے کے مطابق دفاعی تربیت دینے کا وسیع انتظام تاکہ چند سال کے اندر ملک کا ہر فرد اسلحہ کے استعمال اور دفاعی تدابیر سے واقف ہو جائے۔

(۴) اسلحہ کے لائسنس عطا کرنے کے معاملہ میں ان بے جا پابندیوں کا خاتمہ جو انگریزی حکومت نے اس ملک کے لوگوں کو نہتا اور بزدل بنانے کے لیے عائد کر رکھی تھیں۔

(۵) اے۔آر۔پی اور فرسٹ ایڈ (ابتدائی طبی امداد) کے تربیتی مراکز میں توسیع۔

(۶) عورتوں کو اسلامی پردہ کے حدود میں رہتے ہوئے دفاعی تربیت دینے کا انتظام۔

۸۔ قومی صحت

ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان کا کوئی باشندہ محض ناداری کی بنا پر علاج سے محروم نہ رہ جائے نیز اس ملک کی عام صحت کو، جو روز بروز گرتی جا رہی ہے، سنبھالا جائے۔ اس غرض کے لیے ہم حسب ذیل تدابیر عمل میں لائیں گے:

۱۔ سستی قیمت پر دواؤں کی فراہمی کا انتظام، اور علاج کے مصارف کم کرنے کے لیے مزید تدابیر۔

۲۔ سرکاری شفاخانوں اور دایہ گھروں کی تدریجی توسیع۔

۳۔ سرکاری شفاخانوں کے عملے کی اخلاقی اصلاح تاکہ وہ مریضوں کے حقیقی ہمدرد اور خادم بنیں۔

۴۔ علاج کی سہولتوں کو عام کرنے کے لیے ایلوپیتھی کی طرح یونانی طب اور ہومیوپیتھی کے شفاخانے بھی سرکاری طور پر قائم کرنا۔

۵۔ دق، وبائی امراض اور جنسی امراض کی روک تھام پر خصوصی توجہ۔

۶۔ غذا اور دواؤں میں آمیزش کو پوری سختی کے ساتھ بند کرنا۔

۷۔ شہروں اور دیہات میں حفظانِ صحت کا اطمینان بخش انتظام۔

۸- حفظانِ صحت، تیمارداری، وباؤں کی مدافعت، صحت بخش غذا اور فوری طبی امداد (FIRST AID) کے متعلق ضروری معلومات کو مدارس کے نصاب اور تعلیم بالغاں کے نصاب میں شامل کرنا، نیز ان معلومات کو زیادہ عام کرنے اور عوام میں صفائی کی حس پیدا کرنے کے لیے تمام ممکن ذرائع سے کام لینا۔

۹- غیر مسلم اقلیتیں

غیر مسلم اقلیتوں کے بارے میں ہماری پالیسی یہ ہوگی:-

۱- اقلیتیں اپنے معاشرے کی اصلاح کے لیے جس قسم کے قوانین منظور کرانا چاہیں بشرطیکہ وہ دوسروں کے حقوق پر اثر انداز نہ ہوں، انہیں پاس کرانے میں ان کی مدد کی جائے۔

۲- ان کو اپنے مذہبی و تہذیبی معاملات میں حکومت کے وسائل سے جس جائز مدد کی ضرورت ہو وہ کشادہ دلی سے ساتھ دی جائے۔

۳- ان کے مذہبی و معاشرتی معاملات میں کوئی بے جا مداخلت نہ ہونے دی جائے۔

۴- انہیں اکثریت کے طرزِ عمل یا حکومت کے نظم و نسق سے جو بھی معقول شکایات ہوں انہیں رفع کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔

۵- شیڈولڈ کاسٹ (SCHEDULE CASTE) کی فلاح و بہبود پر خصوصی توجہ دی جائے۔

۱۰- متفرق امور

مذکورہ بالا پروگرام کے علاوہ حسبِ ذیل امور بھی ہماری خاص توجہ کے مستحق ہونگے:-

۱- انتظامی معاملات میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینا۔

۲- مشرقی پاکستان کو دفاعی حیثیت سے خود کفیل بنانے کی کوشش کرنا۔

۳- مشرقی پاکستان کی اقتصادی ضروریات کے لیے خصوصی انتظامات کرنا۔ اسی طرح ملک کے دوسرے جو علاقے ابھی تک صنعتی اور دیگر ترقیات سے محروم ہیں ان کو ملک کی عام ترقی میں حصہ لینے کے قابل بنانا۔

۴۔ صوبائی، علاقائی، نسلی اور لسانی تعصبات کو ختم کرکے ملی اتحاد کا احساس ابھارنے اور مستحکم کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کرنا۔

۵۔ سابق صوبہ سرحد کی ملحقہ ریاستوں کو مغربی پاکستان میں مدغم کرنا اور قبائلی علاقوں کے نظام کو تبدیج پاکستان کے دوسرے حصوں کے نظام سے ہم آہنگ کرنا۔

۶۔ مہاجرین کے مسائل کو حل کرنے کے لیے مؤثر اقدامات، بالخصوص ان کے دعاوی کے بارے میں بلاتاخیر مستقل فیصلہ کرنا اور ان کی آبادکاری کا مناسب انتظام کرنا (واضح رہے کہ آبادکاری سے مراد محض سکونت کی جگہ مہیا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اس میں مواقع روزگار اور دیگر سہولتیں بھی شامل ہیں)۔ یہ کام زیادہ سے زیادہ دو سال کے اندر مکمل ہو جانا چاہیے اور اس کے بعد وزارت مہاجرین کو توڑ دیا جائے

۷۔ متروکہ جائدادوں کی الاٹمنٹوں کی تحقیق۔ جن لوگوں نے بلا استحقاق یا اپنے حق سے زائد الاٹمنٹ کرا رکھے ہیں، یا ویسے ہی متروکہ جائدادوں پر قبضے کر رکھے ہیں ان سے واپس لے کر مستحقین کو متروکہ املاک الاٹ کرنا۔

۸۔ حدود شریعت کے اندر آرٹ اور کلچر کی ترویج۔

۹۔ ۱۹۵۳ء کے مارشل لا میں جن لوگوں کو جانی و مالی نقصانات پہنچے ہیں ان کی تلافی۔

۱۱۔ پارلیمنٹری پالیسی

صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں میں جماعت اسلامی کی پارلیمنٹری پارٹی حسب ذیل اصولوں پر کام کرے گی:۔

۱۔ وہ احکام اسلامی کے اجرا، انصاف کے قیام، اور ملک کی حقیقی فلاح و بہبود کے کاموں میں اسمبلی کی دوسری پارٹیوں کے ساتھ تعاون کرے گی، مگر ناجائز امور میں یا ناروا اغراض کی تکمیل میں کسی کی مددگار نہ بنے گی۔

۲۔ اگر وہ اکثریت میں ہو تو اپنی وزارت بنائے گی اور اس صورت میں اس کی پالیسی یہ ہوگی:۔

(الف) حاکمانہ زعم میں پبلک کی تنقیدوں سے بے پروائی نہ برتی جائے۔

(ب) پبلک کی شکایات کی طرف خواہ وہ اخبارات کے ذریعہ سے شائع ہوں یا کسی دوسرے ذریعہ سے پہنچیں، پوری توجہ کی جائے اور ہر جائز شکایت کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔

(ج) حکومت کے کاموں میں پبلک کے اہل فکر و نظر اور واقف کار لوگوں کا تعاون حاصل کیا جائے

اور ان کے مشوروں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

(د) وزراء بڑی بڑی تنخواہیں لے کر وزارت کے ٹھاٹھ نہ جمائیں اور نہ پبلک سے دور ہوں۔ ان کو اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے کے بجائے اپنا معیارِ اخلاق اور معیارِ خدمت بلند کرنا چاہیے اور عوام سے دُور ہونے کے بجائے اور زیادہ قریب ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی حکومت کے تحت ملک کے حالات سے براہِ راست واقف ہوں اور حالات کی اصلاح کریں۔

(ھ) پبلک کے روپے اور حکومت کی مشینری کو پارٹی کی اغراض کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ نہ حاکمانہ اختیارات سے کسی اور طرح کا ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔

(و) حکومت کے اختیارات کو مخالف سیاسی پارٹیوں کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔

(ز) مغربی ڈپلومیسی کے طریقے ترک کر کے حکومت کا کام سچائی اور راست بازی کے ساتھ چلایا جائے۔

(ح) ہر قیمت پر وزارت سے چمٹے رہنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اپنے عقیدہ و مقصد کے مطابق اپنے اصلاحی پروگرام کو نافذ کرنے پر اصرار کیا جائے اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو وزارت سے استعفا دے دیا جائے۔

۳۔ اگر یہ پارٹی اقلیت میں ہو لیکن دوسری پارٹیوں کے ساتھ مشترک وزارت بنانے کا امکان ہو تو صرف اس صورت میں اس امکان سے فائدہ اٹھایا جائے گا جبکہ:۔

(الف) مشترک وزارت میں شریک ہونے والی پارٹیاں اس پارٹی کے عقیدہ و مقصد سے اور اس منشور کے اصلاحی پروگرام یا کم از کم اس کے بنیادی اصولوں سے متفق ہوں۔

(ب) وہ اس پالیسی پر عمل کرنے کا اقرار کریں جو اوپر نمبر ۲ میں بیان کی گئی ہے۔

۴۔ اگر اس پارٹی کو اپوزیشن میں رہنا پڑے تو وہ کبھی اختلاف برائے اختلاف نہ کرے گی بلکہ حق کی موافقت اور باطل کی مخالفت کے اصول پر عامل ہو گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تفسیر سورۂ فاتحہ

(مولانا عبدالحی فاروقی)

(۲)

مالک یوم الدین | بدلہ اور مکافات کے لیے عربی زبان میں دین کا لفظ آتا ہے مشہور ضرب المثل ہے : کما تدین تدان، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، ایک شاعر کہتا ہے :

فلما صرح الشر وامسی وهو عریان

ولم یبق سوی الله وان دناهم کما دانوا

اسی بنا پر یوم الدین کے معنی بدلہ کا دن ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا تقاضا ہے کہ انسان جو کچھ کرے، اس کا بدلہ ضرور مل کر رہے، دنیا بھی دار الجزا ضرور ہے مگر اس کی محدودیت کی بنا پر بدلہ پورا نہیں مل سکتا، اور بعض اوقات ایسے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ مجرم سزا سے بالکل بچ نکلتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کوئی دن ایسا مقرر ہو جس میں ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ مل کر رہے، اور یہ وہ دن ہو گا جس روز اللہ کے سوا اور کسی کی حکومت نہ ہو گی :

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (۴۰ : ۱۶) آج کس کی بادشاہت ہے؟ خدا کی، جو اکیلا اور غالب ہے

دوسری جگہ فرمایا :

وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ (۸۲ : ۱۹) اور حکم اس روز خدا ہی کا ہو گا۔

باہمی ربط | انسان اگر اپنی زندگی کی مختلف منزلوں پر غور کرے تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ ہر قدم پر اس کو خدائے قدوس کی دست گیری و اعانت کی ضرورت ہے۔ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو بالکل بے یار و مددگار ہوتا ہے اس وقت اللہ کی صفتِ ربوبیت آگے بڑھتی ہے، اور اس کی یاری و مددگاری میں لگ جاتی ہے، اب وہ سنِ بلوغ کو پہنچتا ہے، اس کی قوتیں نشو و نما پاتی ہیں، اور اتمام و تکمیل کی طرف

قدم بڑھاتی ہیں، اس تمام تگ و دو میں الرحمٰن اور الرحیم اس کی حفظ و نگہداشت کرتے ہیں اور اس کے نشوو ارتقا میں زمین و آسمان کے ایک ایک ذرے کو اس کا مطیع و فرماں بردار بنا دیتے ہیں۔

لیکن اس فوز و کامرانی پر اسے اترا کر غرور و استکبار میں خدا کا انکار نہ کرنا چاہیے، اس لیے کہ ابھی ایک منزل اس کے لیے اور بھی ہے، جس میں اللہ کے سوا اس کا کوئی مدد گار نہ ہوگا۔ وہ آنے والی زندگی بھی خدائے قدوس ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پس اس سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ ہی اس کا رب، اس کو نشوونما دینے والا ہے، اور اس کے ہر کام کا بدلہ دینے والا ہے، اس لیے وہ کسی حالت میں بھی اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں نکل سکتا۔

جب ایک انسان اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ اللہ ہی میرا رب ہے، اسی کی صفت رحمت ہر طرف سے میرا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور وہی میرے کاموں کا بدلہ دینے والا ہے تو اب ظاہر ہے کہ وہ اسی کے آگے سر جھکائے گا، اسی کا اپنے آپ کو غلام سمجھے گا، اس کا دست سوال دراز ہوگا تو اسی کے سامنے اس لیے وہ پکار کر کہتا ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ | ہم تیرے ہی غلام ہیں، یہی غلامی ہمارے لیے موجب افتخار و ناز ہے، ہم کہاں جائیں، تیرے ہی آگے دست سوال دراز کرتے ہیں کہ تیرے سوا ہمارا کوئی مونس و غمخوار اور یار و مدد گار نہیں، دوسری جگہ آتا ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ (۹۸: ۵)

اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ خدا کی عبادت کریں، اور ایک ہو ہو کر۔

ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ، (۲: ۱۶۵)

لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو خدا ہی سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔

ارض و زمین کی تمام کائنات اسی ایک کے قبضہ و اختیار میں ہے، اور جب ایک شخص اس کا اقرار کرتا ہے کہ وہ اسی کا غلام ہے تو اگر وہ اپنے دعوی میں سچا ہے تو وہ اسی کے آگے ہاتھ پھیلائے گا

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ، وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔

اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے، اور وہ مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا، اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا

وہی ہر چیز دیتا ہے:

یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا۔

جسے چاہتا ہے، بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے

صِرَاطُ مُّسْتَقِیْمُ غلام کو برابر اس بات کی فکر رہتی ہے کہ وہ اپنے آقا کو ہمیشہ خوش رکھے، اس کی مرضی کی تلاش میں رہے، اور اس بات کی ٹوہ میں رہے کہ وہ اس سے ناراض نہ ہونے پائے، مگر وہ جانتا ہے کہ اس کی عقل محدود اور علم بہت کم ہے، وہ اپنے غور و فکر سے یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ اس کا مالک کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس چیز کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے وہ والہانہ و مضطربانہ اسی کے آگے دستِ سوال دراز کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ ہمیں سیدھی راہ بتا دیجیے۔

راستہ دکھانے کو ہدایت کہتے ہیں، جس پر چل کر انسان اپنے مطلوب تک پہنچ جائے، اللہ تعالیٰ نے مختلف مرتبوں سے ہدایت فرمائی ہے۔

(۱) فطری الہام:

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی، (۲۰: ۵۰)

ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی، پھر راہ دکھائی،

یہ الہام ہر چیز کو ہوتا ہے، بچہ پیدا ہوتے ہی اسی الہام کی بنا پر ماں کی چھاتی کو اپنے منہ میں لیتا ہے

(۲) حواس کے ذریعہ، حواس کی دو قسمیں ہیں، ظاہری اور باطنی۔ ظاہری حواس تو اس شعر میں بیان کیے گیے ہیں:

که دارد پنج قوت حس است
شم و ذوق و سماع و لمس و بصر

اور باطنی یہ ہیں: حس مشترک، خیال و وہم، قوتِ حافظہ اور قوتِ متصرفہ، ان سے وہ ہدایت پاتا ہے۔
(۳) عقل، قرآن پاک میں آتا ہے:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (۹۰:۱۰) — اور اس کو خیر و شر کے دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔

دوسری جگہ ہے:

فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (۴۱:۱۷) — ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھایا تھا، مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا۔

اس طرح بھی ارشاد ہوتا ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (۹۱:۸) — پھر اس کو بدکاری سے بچنے اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔

(۴) دین، ہدایت و راہ نمائی کے جس قدر ذرائع اوپر ذکر کیے گئے ہیں، ان میں غلطی کا امکان ہے، یہ جس قدر اختلافات و منازعات باہمی ہیں، وہ سب اسی غلط فہمی کے نتائج ہیں، اور یہ اس درجہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں، اسی بنا پر انسان محتاج ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر سے ہدایت کا طلبگار ہو، اس سے صراطِ مستقیم کی دعا کرے۔

صراطِ مستقیم سے مراد وہ رستہ ہے جس پر انسان چل کر دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں سے بہرہ اندوز ہو:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۴۲:۵۲) اور بے شک اے محمد! تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔

دوسری جگہ یوں آتا ہے:

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲۳:۷۳) اور تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاتے ہو۔

ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ — اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (۶: ۵۳) اور رستوں پر نہ چلنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراطِ مستقیم کی حقیقت کو نہایت ہی دل نشیں انداز میں یوں فرمایا ہے:

من عبد اللہ بن عمر قال خطّ لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطًا، ثم قال ھذا سبیل اللہ، ثم خط خطوطا عن یمینہ وشمالہ وقال ھذہ سُبل علی کل سبیل منھا شیطان یدعو الیہ، وقرأ اِنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچ کر فرمایا، یہ تو اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں اور خطوط کھینچے، اور فرمایا یہ راستے ہیں، ان میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہے اور اس کی طرف بلاتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی، ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ

یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ دو نقطوں کے درمیان خط مستقیم صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، اور ان کے درمیان جو فاصلہ ہو گا وہ کم سے کم ہو گا، پس صراطِ مستقیم وہ راستہ ہو گا جو افراط و تفریط سے پاک ہو، دشوار گزار نہ ہو، ایسا مضبوط کہ اس پر سے پھسلنے کا اندیشہ نہ ہو، اس قدر صاف اور روشن ہو کہ اس کی رات بھی دن کے برابر ہو، کہیں کجی اور موڑ نہ ہو، اب اس کا نام کتاب اللہ رکھ لیجیے، اسلام کہیے دین پکاریے، سب ایک ہی چیز ہے۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر

انسانی زندگی کا حال یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے طرح طرح کے عوارض میں گھری ہوئی ہے، قدم قدم پر اس کے لیے ٹھوکریں اور گڑھے ہیں، اس کے ارد گرد اندھیرا ہی اندھیرا اور تاریکی ہی تاریکی ہے، خارجی اثرات ہیں، ماحول کی گمراہیاں ہیں، خاندانی امیال و عواطف اور رسوم و عوائد ہیں، صحبت و ہم نشینی ہے، جو اندر ہی اندر اپنی تاثیر رکھتی ہے، پھر شیطان ہے جو ہر لمحہ و ہر آن شہوات و مکروہات کی دعوت دیتا ہے، قعرِ دریا میں تختہ بند یاں ہیں، اور حکم یہ ہے کہ دامن تر نہ ہونے پائے، ان حالات و واقعات میں ہر وقت پھسلنے اور ڈگمگانے کا خوف دامن گیر رہتا ہے، اس لیے عاجز و درماندہ

انسان بے بس ہو کر ہر وقت خدائے حق نواز سے درخواست کرتا ہے: اھدنا الصراط المستقیم، جب بھی وہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کی سب سے بڑی پکار یہی ہے کہ صرف تیری ہی دستگیری مجھے ان مصیبتوں سے نجات دے سکتی ہے، اور راہ حق پر چلا سکتی ہے، وہ کہتا ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (۳: ۸)

اے پروردگار، جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر، اور ہمیں اپنی رحمت سے نواز، تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

انعام یافتہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ جب تک کوئی نمونہ موجود نہ ہو، انسان آگے نہیں بڑھ سکتا، اس لیے جب اس نے صراطِ مستقیم کی طلب کی تو اس کے لیے نمونہ ہونا ضروری تھا تاکہ اسے چلنے میں دقت نہ ہو، پس وہ راستہ جس پر چل کر انسان دنیا و آخرت میں کامیاب و بامراد ہو سکتا ہے، وہ ان لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ نے اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارشیں ہمیشہ نازل کی ہیں، جو کبھی گم راہ نہ ہوئے اور جن پر کبھی اللہ کا غضب نازل نہ ہوا۔

یہ انعام یافتہ گروہ کون ہے، قرآن اس کی تفسیر خود کرتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (۴: ۶۵)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں پس وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیاء اور صدیق اور شہداء اور نیک لوگ۔ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔

اس آیت میں چار قسم کے لوگ بیان کیے گئے ہیں جن میں اللہ کا انعام ہوتا ہے:

(۱) نبی، اس ذاتِ قدسی میں دو قوتیں موجود ہوتی ہیں:

(الف) قوتِ نظری، اس قوت سے وہ اشیاء کی ماہیت معلوم کرتا ہے، روح القدس کی تائید اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسی بنا پر کسی حقیقت میں بھی اسے کبھی لمحہ کے لیے شک و اشتباہ نہیں ہوتا۔

(ب) قوتِ عملی، اس میں ایسا ملکۂ صالحہ راسخ ہوتا ہے کہ وہ ہر نیک کام کو دلی رغبت اور شوق سے کرتا ہے اور ہر برے کام سے اسے بالطبع نفرت ہوتی ہے۔

ان دونوں میں وہ درجۂ کمال پر ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا انسان باوجود انتہائی مجاہدہ و ریاضت کے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، وہ اپنی قوم میں اس طرح زندگی بسر کرتا ہے کہ ہر شخص اس کی ایک ایک نقل و حرکت سے واقف ہوتا ہے، اس کے صالح اور امین ہونے کا بانگِ دہل اقرار کرتا ہے۔ اسی بنا پر وہ پوچھتا ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ (۱۰:۱۶) — میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں، بھلا تم سمجھتے نہیں۔

۲۔ صدیق، نبی کی وہ دونوں قوتیں اب تقسیم ہو جاتی ہیں، قوت نظریہ بدرجہ اتم صدیق میں موجود ہوتی ہے، اسے حق و صداقت کے پہچاننے کے لیے کسی خارجی دلیل و معجزہ کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ اپنے وجدانِ صحیح اور فطری صلاحیت کی بنا پر حق کو فوراً شناخت کر لیتا ہے، اور اس کے آگے سر نیاز خم کر دیتا ہے، وہ ایمان و یقین کا پیکرِ مجسم، اور عزم و استقامت کا پہاڑ ہوتا ہے، اخلاص و ایثار میں بے نظیر، امانت و دیانت میں بے مثال، صداقت و راست بازی میں یکتا، اور توکل و اعتماد علی اللہ میں اپنی نظیر آپ ہوتا ہے۔ اس کی نظر دنیاوی اسباب و وسائل پر نہیں ہوتی، بلکہ وہ راہِ حق میں انبیاء کرام کے دوش بدوش چلتا ہے۔

۳۔ شہید، یہ عمل کا مکمل نمونہ ہوتا ہے، وہ اپنی زبان اور اعضاء و جوارح سے حق کی شہادت دیتا ہے، اس کے تمام اعمال، اس کی تمام حرکات، اس کا اٹھنا اور بیٹھنا، اس کی دشمنی اور محبت، اور اس کی زندگی اور موت، سب اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے اور اس حیثیت سے تعلیم الٰہی کا علمبردار ہوتا ہے۔

۴۔ صالح، صدیق و شہید میں جو قوتیں کارفرما ہوتی ہیں، وہی اس میں بھی موجود ہیں، مگر ان سے کم، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا طغرائے امتیاز ہوتا ہے۔

قرآن کا انصاف | اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں چار قسم کے لوگ بیان کیے گئے، ان میں کسی قوم اور ملک کی خاص

نہیں کیا گیا، دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اللہ کی تعلیم نہ آئی ہو، اور یہ ارباب صلاح و تقویٰ نہ پیدا ہوئے ہوں پس یہ خصوصیت صرف قرآن کو حاصل ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں اور ملکوں کے صالح افراد کو جنہیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے، انعام یافتہ گروہ میں شامل کرتا، ان کی پیروی کی دعوت دیتا، اور ان کو دوسروں کے لیے نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (۶: ۹۰)

یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی، تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔

ایک جگہ فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا (۱۹: ۵۸)

یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے پیغمبروں میں سے فضل کیا یعنی، اولادِ آدم میں سے، اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا، اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے، اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی، اور برگزیدہ کیا۔

مغضوب اور ضالّ جن لوگوں کا اوپر ذکر کیا گیا، وہ اللہ کے انعام و اکرام سے مالامال تھے، ان پر نہ تو اللہ کا غضب کبھی نازل ہوا اور نہ راہ حق سے بھٹکے، یہ صراطِ مستقیم کا ثبت پہلو تھا، اب ان کا منفی پہلو بیان کیا جاتا ہے کہ کسی قسم کا شک و اشتباہ باقی نہ رہے، انسان کے سامنے جب حق کی راہ کشادہ ہوتی ہے تو تین قسم کے موانع اس کے سامنے آتے ہیں۔

(۱) حجابِ طبع، ہر انسان کی طبیعت میں کھانے پینے کی خواہش موجود ہے۔ خوشی اور غم کے حالات اس پر طاری ہوتے رہتے ہیں، اب اگر اس نے اپنی تمام زندگی اسی میں ضائع کردی اور کبھی اسے اخلاقِ صالحہ اور کمالاتِ نافلہ کے حاصل کرنے کا خیال نہ آیا تو اس کے آگے راہ حق واضح نہ ہوگی۔

(۲) حجابِ رسم، لیکن جو شخص دانش مند ہوگا، وہ ضرور اپنے احوال کا جائزہ لے گا، اس میں آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہوگا، اب وہ اپنی طہارت و پاکیزگی کا خیال کرے گا، فضائل و کمالات کے

کسب و حصول میں لگ جائے گا اور ان باتوں میں اس درجہ مستغرق ہو جائے گا کہ دین و ایمان کو بالکل طاق نسیاں پر رکھ دیگا، اس میں شک نہیں کہ اپنے ذاتی محاسن کی وجہ سے وہ دنیا میں معزز و محترم رہے گا، مگر جونہی روح اس کے قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی وہ اپنے آپ کو درگاہِ رب العزت میں بالکل تہی دست پائے گا اور کوئی چیز اس کے کام نہ آئے گی۔

(۴) حجاب سوء معرفت، مگر ان میں جو ذکی الحس ہو گا وہ شریعت کی پابندی اور دلائل و براہین کی بنا پر یہ یقین کرے گا کہ رب السموات والارض ہی تمام کون و مکان میں تدبیر نافذ کرتا ہے وہی سب کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے، اور اسی کے قبضہ و اختیار میں سب کچھ ہے، اب اس کا دل خالقِ ارض و سما کی محبت سے بھرپور ہو جاتا ہے، اس کے تقرب کا خواہشمند اور اپنی حاجات کی مطلب براری میں اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، مگر اس منزل میں آکر اس سے دو غلطیاں ہو جاتی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس میں انسانی صفات کا یقین کر لیتا ہے، یا پھر بعض نیک لوگوں میں الوہیت کی صفات مان لیتا ہے، اور یوں راہِ حق سے بھٹک جاتا ہے۔

یہ حجابات ہیں، جن کی وجہ سے انسان اعمالِ فاسقہ میں مبتلا ہو کر اللہ کے غضب کا مورد بن جاتا ہے اور راہِ صدق و صفا کو چھوڑ کر غلط کاریوں میں اپنی زندگی بسر کر دیتا ہے، مغضوب اور ضال سے مراد لیا ہے، مغضوب کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے سیدھا راستہ پہچان لیا، علم و معرفت کی نعمت سے سرفراز ہو گیا، مگر اس نے ہر سچائی کا انکار کیا اور روگردانی کر کے منحرف ہو گیا، ضال اسے کہتے ہیں جو راہ ہی نہ پا سکا، اس لیے ادھر ادھر بھٹکتا رہا، پہلا جاحد ہے اور دوسرا جاہل، اسے حقیقت ہی معلوم نہ ہوئی، اور وہ اپنی جہالت و نادانی پر قانع ہو گیا۔

احادیث و آثار میں آتا ہے کہ مغضوب علیہم یہود ہیں، اور ضالین نصاریٰ یعنی غضب و ضلالت کا شکار یہ قومیں ہوئیں، جن کی تاریخ محفوظ ہے، اس نمونہ کو سامنے رکھ کر دنیا کی تمام قومیں ان سے عبرت اندوز ہوں۔ ان اعمالِ فاسقہ سے پرہیز کریں جن کی بنا پر ان کو مردود قرار دیا گیا، اور اس غضب و ضلالت سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔ قرآنِ پاک میں جس قدر قصص و حکایات ہیں، وہ حقیقت میں صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ہی کی تشریح و توضیح ہیں۔

مطبوعات

ابن الحریری و مقاماتہٗ بزبان عربی | مؤلفہ ڈاکٹر محمد احمد صاحب پروفیسر عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی۔
صفحات ۳۳۲ قیمت ۹ روپے ۔ طباعت لیتھو۔ کاغذ و کتابت عمدہ۔

یہ کتاب جو فاضل مؤلف نے عباسی عہد کے مشہور ادیب و شاعر حریری (یا ابن حریری) کے متعلق لکھی ہے، دراصل ان کا وہ مقالہ ہے جسے انہوں نے ۱۹۵۳ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے کے لیے پیش کیا اور پھر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی۔ اس لحاظ سے یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، جس میں حریری اور اس کے مقامات کے متعلق ان تمام ضروری معلومات اور مباحث کو یکجا کر دیا گیا ہے جو اس سے قبل عربی انگریزی کی مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی تو تھیں، لیکن کسی نے انہیں اب تک ایک جا جمع نہ کیا تھا۔ اس اعتبار سے فاضل مؤلف مبارک باد کے مستحق ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے یہ کتاب لکھ کر عربی ادب کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ مقامِ شکر ہے کہ برعظیم ہند و پاکستان کی یونیورسٹیوں میں عربی کے ایسے پروفیسر بھی مل جاتے ہیں، جو واقعی عربی زبان میں لکھنے کا شوق بھی رکھتے ہیں اور استعداد بھی۔

کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کا مختصر مقدمہ ہے، جس میں انہوں نے مؤلف کی محنت کی داد دیتے ہوئے یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ کتاب گویا حریری کے متعلق ایک قسم کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

کتاب کی زبان کے متعلق مولانا نے اپنے مقدمہ میں کوئی رائے ظاہر نہیں فرمائی۔ چنانچہ ذیل میں ہم کتاب پر صرف اس پہلو سے تبصرہ کریں گے۔

کتاب کا زیادہ تر حصہ ان اقتباسات پر مشتمل ہے جو مؤلف نے مختلف عرب یا انگریز مصنفین کی کتابوں سے لے کر انہیں یکجا ترتیب دے دیا ہے۔ جہاں تک عرب مصنفین کے اقتباسات کا تعلق ہے ان کی صحت زبان میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا اور اگر بالفرض ان میں کوئی غلطی پائی بھی جائے تو اس کی ذمہ داری مؤلف پر نہیں ہے۔ لیکن کتاب کا جو حصہ مؤلف کی اپنی عبارتوں پر مشتمل ہے یا جس میں

مؤلف نے انگریزی کتابوں کی عبارتوں کا ترجمہ کیا ہے، ہمیں افسوس ہے کہ اس میں زبان کا وہ معیار نہیں ہے جو اس قسم کی خالص علمی اور تحقیقی کتاب کا ہونا چاہیے تھا۔ اس حصہ میں باکثر جگہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف سوچتے تو اردو میں ہیں اور لکھتے عربی میں ہیں۔ بعض عبارتیں بالکل غیر واضح قسم کی ہیں، جن کو وہ لوگ تو سمجھ سکتے ہیں جو عربی کے ساتھ اردو بھی جانتے ہوں، لیکن ایک ٹھیٹھ عرب ذہن کے لیے ان کا سمجھنا شاید ممکن نہ ہو۔ اور جو عبارتیں قابل ہیں ان کی زبان کچھ ایسی بے جان قسم کی ہے کہ پڑھتے وقت کوئی لطف محسوس نہیں ہوتا۔ اس حصہ میں نحو و لغت کی غلطیاں بھی جابجا پائی جاتی ہیں۔ پوری کتاب کی غلطیوں کی نشاندہی کرنا ہمارے لیے نہ ممکن ہے اور نہ رسالہ کے صفحات میں اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، تاہم کتاب کے جن مقامات کو ہم دیکھ سکے ہیں، ان میں ہمیں ذیل کی موٹی موٹی غلطیاں نظر آئیں۔

۱۔ یحیطه (ص ۱۴) اس جگہ یحیط به ہونا چاہیے تھا۔

۲۔ بذلوا جهدهم الی تحسین الالفاظ (ص ۱۷) اس جگہ الی کے بجائے فی یا ل ہونا چاہیے تھا۔

۳۔ فاق علی الاقران (ص ۲۶) اس جگہ فاق کے ساتھ علی کا صلہ صحیح نہیں ہے۔

۴۔ اشتهر بالامتیاز علی معاصریه (ص ۲۶) اس جگہ علی کے بجائے عن ہونا چاہیے تھا۔

۵۔ لم نتأثر منها بشیء (ص ۳۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۹، ۲۰۸) ان تمام مقامات پر تأثر کے ساتھ من کا صلہ صحیح نہیں ہے، اس کے بجائے ب کا صلہ ہونا چاہیے تھا۔

۶۔ لیعتبر من الموت (ص ۴) اس جگہ من الموت کے بجائے بالموت ہونا چاہیے تھا۔

۷۔ فی البحث عن صیغتها (ص ۸۰۔۱۲۴) اس موقع پر بحث کے ساتھ عن کا استعمال اچھا معلوم نہیں دیتا۔ اس کے بجائے فی استعمال کرنا چاہیے تھا یا اس کو بغیر کسی صلہ کے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے بحث کے ساتھ عن کا استعمال دوسرے معنی میں ہے۔

۸۔ لأن من الخطباء کان بعضهم یسجع (ص ۹۶) اس جگہ من الخطباء اور بعضهم کا اجتماع صحیح نہیں ہے۔

۹۔ جاء بها بمکة (ص ۹۷) معلوم نہیں یہاں مکة کے ساتھ ب کا استعمال کیونکر صحیح ہوسکتا ہے

عام استعمال الی کا ہے اور ہمارے خیال میں یہی صحیح ہے۔

۱۰۔ فلما جاء الدولۃ الامویۃ ففیہا ایضا (ص ۹۹) فلما جاء الدولۃ العباسیۃ فلما اصغوا (ص ۱۰۰) ان دونوں جملوں میں لما کے جواب میں ففیہا اور فلما کا استعمال صحیح نہیں ہے۔ لما کے جواب میں فعل ہی آسکتا ہے اور وہ بھی فعل ماضی اور وہ بھی بغیر ف کے۔

۱۱۔ حینما ظلمت السلاجقۃ المغول علی عامۃ المسلمین (ص ۱۰۱) اس فقرے میں ظلم کے ساتھ علی کا استعمال ٹھیٹھ اردو ہے۔

۱۲۔ اما ادباء العرب لم یعتنوا بہا (ص ۱۰۱) اس جگہ لم کے ساتھ ف کا لانا ضروری تھا۔

۱۳۔ بحیث ان یکون (ص ۱۵۹) اس فقرے میں اَن کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

۱۴۔ المسألۃ النحویۃ المتنازعۃ فیہا (ص ۱۶۱) اس جگہ المتنازعۃ فیہا غلط ہے، اس کے بجائے المتنازع فیہا ہونا چاہیے تھا۔

۱۵۔ فلیراجع الی ۔ ۔ ۔ (ص ۱۶۱) اس جگہ الی کا استعمال صحیح نہیں ہے۔

۱۶۔ شیئا مماثلا من المقامات (ص ۱۷۹) اس جگہ من المقامات کے بجائے للمقامات ہونا چاہیے تھا۔ من المقامات اردو ہو تو ہو، کم ازکم عربی نہیں ہے۔

۱۷۔ اقتربنفسہ علی فصل البدیع (ص ۱۸۱) اس موقع پر اقتر کے ساتھ علی کا صلہ صحیح نہیں ہے۔ اس کے بجائے ب کا صلہ صحیح ہے۔

۱۸۔ ھو انکسارہ (ص ۱۸۱) اس موقع پر مؤلف نے انکسار کو تواضع کے معنوں میں (جیسا کہ وہ اردو میں استعمال ہوتا ہے)، استعمال کیا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔

۱۹۔ افلیس ھذا بالعجب العجاب انہم (ص ۱۸۱) وھذا ایضا ظاہر انہ فی زمنہ (ص ۳۸) فھذا آداب کثیر من معلمی الاخلاق انہم (ص ۸۹) وھذا ایضا باھر ان الضاد (ص ۱۶۰) ولکن الذی اقول ھو ھذا انہما (ص ۱۹۷) ۔ ۔ ۔ ان جملوں میں ھذا وراَن کا اجتماع سراسر اردو میں سوچنے کا نتیجہ ہے۔

۲۰- حتی ظنہا الناس أنہا (ص ۲۰۰) اس جگہ ظنہا اور انہا معلوم نہیں کیسے ایک ساتھ جمع ہو گئے

۲۱- لیعترف فضلہما (ص ۱۹۴) اس جگہ فضلہما کے بجائے لیفضلھما ہونا چاہیے تھا۔

۲۲- لکن الحق احق ان یقال أن . . . (ص ۲۰۳) یہ ترکیب کم ازکم ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کے بجائے یہ ترکیب یوں ہو سکتی تھی: ولکن الحق والحق احق ان یقال ان . . . .

۲۳- والحق ان صاحب الفخری لما رأی . . . فقال (ص ۲۰۱) لما کے جواب میں ف کا استعمال صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

۲۴- عملت علی قول من قال (ص ۱۵) اس موقع پر عمل کے ساتھ علی کا استعمال بالکل اردو انداز بیان ہے۔

۲۵- ولم یکن صاحب خد وخال وحسن وجمال (ص ۲۲) . . . . عربی میں خد وخال کا یہ استعمال کم ازکم ہمارے لیے اجنبی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ مؤلف اردو یا فارسی میں سوچتے سوچتے عربی میں یہ ترکیب استعمال کر گئے ہوں۔

۲۶- لغاتہ ومعاجمہ (ص ۹۵) . . . معاجم کے معنی میں لغات کا یہ استعمال بالکل اردو انداز بیان ہے۔

۲۷- حیاۃ العرب ومعاشرتھم (ص ۱۰۱) . . . معاشرت کا یہ استعمال بھی عربی کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔

۲۸- وفی الموضوع حقہ مالم یسبقہ احد الی مثلہ (ص ۱۱۰) . . . . یہ ترکیب کم ازکم ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

۲۹- فی نیف وست مائۃ صفحۃ (ص ۱۱) . . . . نیف کا ست مائۃ صفحہ سے پہلے استعمال صحیح نہیں ہے، اسے آخر میں آنا چاہیے تھا۔

۳۰- محاورۃ اخطأ فیہا الحریری (ص ۱۵۳) . . . . محاورۃ کا یہ استعمال بالکل اردو ہے۔

علاوہ ازیں کتاب میں کتابت واملاء کی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں، جن میں سے بعض غلطیوں کی ہم

ذیل میں نشاندہی کرتے ہیں:۔

۱۔لانغماسیم (ص ۱۷) اس کا صحیح املا لانغماسہم ہے۔

۲۔تزئینیا (ص ۱۷۔۸۹) اس کا صحیح املا تزیینہا ہے۔

۳۔المبصریّن (ص ۱۲-۲۳-۱۹۵) اس کا صحیح املا البصریین ہے۔

۴۔کما یدل قولہ (ص ۳۵)۔غالباً اس جگہ یدل کے بعد علیہ کتابت سے رہ گیا۔

۵۔وضودہ (ص ۳۵) یہاں اس کا صحیح املا وضوءہ ہے۔

۶۔باحکام الشرعیۃ (ص ۳۶) اس کا صحیح املا بالاحکام الشرعیۃ ہے۔

۷۔جعفر ابن برملہ (ص ۱۶۱) اس جگہ ابن میں الف کا املا صحیح نہیں ہے۔

۸۔فرات (ص ۱۶۵) فرات کا املا ال کے بغیر صحیح نہیں ہے۔

۹۔یصحح آرائہ (ص ۱۶۹) اس کا صحیح املا یصحح آراءہ ہے۔

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ساری کتاب میں (سوائے چند اقتباسات کے) کسی جگہ مشکل الفاظ کو ضبط کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا اور نہ علامات وقف دی گئی ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی اہم کتاب میں ان دونوں چیزوں کا خاص اہتمام کرنا نہایت ضروری تھا۔ان کے بغیر مؤلف کا اپنا کام تو بہر حال چل گیا، لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں کہ کالجوں اور عربی مدرسوں کے طلبہ ان کے بغیر کتاب کے پڑھنے میں کتنی غلطیاں کریں گے اور کتنی دقت محسوس کریں گے۔ (م۔ع۔ح)

(بقیہ اشارات) ہو جائیں اور یہی ایک نظامِ تعلیم ہمارے لیے علمائے دین اور علمائے دنیا ایک ساتھ پیدا کرے

جن چیزوں کی طرف ہم نے پچھلے صفحات میں اشارہ کیا ہے اُن کی حیثیت منزل کی نہیں بلکہ تدبیرِ منزل کی ہے۔ ہماری اصل منزل وہی ہے جس کی عرب قاصدوں نے امرائے ایران اور شاہِ ایران کی موجودگی میں نشاندہی کی تھی، انہوں نے فرمایا تھا:

"ہم اس لیے میدان میں اُترے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں، دنیا کو تنگی سے نجات دے کر وسعت و کشائش کی راہ دکھائیں ظلم و جور سے بچا کر عدل و انصاف کی فضا میں لائیں۔ بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ان کے درمیان برادرانہ محبت قائم ہونی چاہیے ہماری نظر میں انسانوں کے درمیان شریف و کمین کی تقسیم صحیح نہیں ہم انسانوں کی خود ساختہ اونچ نیچ کے قائل نہیں ہیں ہم تمام کو مٹی کی ایک اصل کی شاخیں سمجھتے ہیں اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ ملک گیری اور کشور کشائی ہمارا مقصد نہیں ہے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ انسان کو انسان کی غلامی سے نجات حاصل ہو اور وہ خدا کا مطیع و فرمانبردار بندہ بن جائے۔"

ہمیں تسلیم ہے کہ سیرت و کردار کے اعتبار سے ہمیں ان پاکباز اور مقدس انسانوں سے کوئی دُور کی نسبت بھی نہیں لیکن فکر و عمل کی ساری کمزوریوں کے باوجود ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ ہماری اصل منزل یہی ہے اور اس منزل تک پہنچنے کے ہم متمنی ہیں۔ ہماری جدوجہد کی غایت خدا کی رضا کا حصول اور قیامت میں سرخروئی ہے ہمارے پاس نہ تو وہ اخلاص اور جانبازی ہے جو ہمارے اسلاف میں تھی اور نہ ہی وہ اسباب و وسائل ہیں جو اتنے عظیم کام کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اس حقیر زادِ راہ کے ساتھ جو ہم اس منزل کی طرف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو ہمیں اپنی اس جسارت پر سخت حیرانی ہوتی ہے اور کبھی کبھی یہ حیرانی ایک طنزیہ تبسم کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اپنی اس کیفیت کے وجوہ تو ہم نہیں جانتے مگر یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ہم نے جب بھی اپنی اس جرأتِ رندانہ پر غور کیا ہے تو ہمیں فوراً مصر کی وہ بڑھیا یاد آجاتی ہے جس نے سوت کی ایک انٹی کے عوض یوسف کی خریداری کا عزم کیا تھا۔

خـــالی صفحـــه